مندرجات

عرض مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلى ونسلم علىٰ رسوله الكريم..... امابعد:

حضور سرورِ کونین ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

مَنْ حَفِظَ عَلىٰ اُمَّتِيْ اَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا فِيْ اَمْرِ دِيْنِهَا، بَعَثَهُ اللهُ فَقِيْهًا وَكُنْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعًا وَشَهِيْدًا ۔[1]

جو شخص میری امت کے فائدے کے لئے امر دین کی چالیس احادیث یاد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو (روز قیامت) فقیہ اٹھائے گا اور قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کرنے والا اور (اس کی نیکیوں پر) گواہ ہوں گا۔

اس فضیلت کو حاصل کرنے کیلئے کئی جلیل القدر علماء نے دین کے مختلف موضوعات سے متعلق چالیس احادیث کے مجموعے لکھے ہیں۔ یہ مجموعہ بھی دین کے ایک اہم رکن نماز کے متعلق چالیس صحیح یا حسن درجہ کی احادیث پر مشتمل ہے ان چالیس احادیث کو یاد کرنے والا انشاء اللہ اس فضیلت کا مستحق ہوگا اور نماز جیسی اہم عبادت کو سنت کے مطابق پڑھنے کی سعادت بھی حاصل کرے گا۔

۱۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، رقم الحدیث (۲۵۸)

ملحوظ رہے کہ اس مجموعہ حدیث میں مسائل نماز کے لیے حدیث کو بطور دلیل اور حدیث کی تشریح کیلئے ائمہ امت کے اقوال بطور توضیح کے پیش کیے گئے ہیں۔

فقہ حنفی قرآن وسنت کے مستنبط مسائل کا مجموعہ ہے اس لیے اس رسالہ میں فقہائے احناف رحمہم اللہ کے حدیث سے مرتب کردہ چالیس مسائل کی یہ چالیس احادیث جمع کی گئی ہیں جماعت غیر مقلدین چونکہ ان احادیث پر اعتراضات سے انکار حدیث کا دروازہ کھولتے ہیں اس لیے خود اس جماعت کے اکابرین کے اقوال بھی ان روایاتِ حدیث کی تصحیح اور مسائل کی توضیح میں بطور حجت کے ذکر کردیے گئے ہیں۔

علمائے غیر مقلدین چونکہ تقلید کا انکار کرتے ہوئے اپنے آپ کو ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے مقلدین کے مقابل سمجھتے ہیں اور اپنے تقلید نہ کرنے پر فخر کرتے ہیں اس لئے انہیں ان کی پسند پر بطور تعارف "غیر مقلد" لکھا گیا ہے۔
مختلف احادیث میں اسلاف امت کے طریقہ تطبیق وترجیح کے بجائے یہ لوگ انکار وتردید کا راستہ اختیار کرکے چونکہ انکار حدیث کا دروازہ کھولتے ہیں اس لئے انہیں "اہل حدیث" کہنا درست نہیں۔

قرآن وسنت سے مسائل شرعیہ کو فقہی ترتیب پر مرتب ومدون کرنے کی سب سے زیادہ خدمت اللہ تعالیٰ نے ائمہ احناف رحمہم اللہ سے لی ہے اس لئے ابتداء میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور فقہ حنفی کا تعارف بھی برادر مکرم حضرت مولانا نثار احمد الحسینی دامت برکاتہم کے قلم

سے شاملِ اشاعت ہے۔

اس مجموعہ حدیث کی پہلی اشاعت الحمدللہ چند دنوں میں ختم ہوگئی اب دوسری اشاعت مفید اضافوں اور کتابت کی اغلاط کی تصحیح کیساتھ پیش خدمت ہے (اور اب الحمدللہ اس کتاب کی تیسری اشاعت پیشِ خدمت ہے)۔

اللہ جل جلالہٗ اس مجموعہ حدیث کو شرف قبولیت عطا فرمائے، راقم الحروف کی بخشش، والدین، اساتذہ، مشائخ کے بلندی درجات اور مسلمانوں کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وسلم۔

احقر
ظہور احمد الحسینی غفرلہٗ
١٠ صفر المظفر ١٤٣٥ھ / ١٥ دسمبر ٢٠١٣ء
جیلینگم کینٹ، برطانیہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

از: مولانا نثار احمد الحسینی دامت برکاتہم، حضرو، اٹک

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ سید المرسلین: أمابعد:

سراج الائمہ، امام المحدثین، محسن امت، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی رحمھم اللہ تعالیٰ ۸۰ھ مطابق ۶۹۹ء میں عراق کے مرکزِ علم ''کوفہ'' میں پیدا ہوئے۔ ''کوفہ'' اس وقت نہ صرف عراق بلکہ عالم اسلام کا مرکز تھا۔ فتح عراق پر حضرت عمر فاروق ؓ ۱۷ھ میں ''کوفہ'' کا شہر آباد کیا اور وہاں کی علمی سرپرستی کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کو بھیجا، ''کوفہ'' اہل علم سے آباد ہوتا رہا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے علاوہ حضرت سعد بن أبی وقاص ؓ، حضرت حزیفہ بن یمان ؓ، حضرت عمار بن یاسر ؓ، حضرت سلمان فارسی ؓ، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ جیسے جبال علم صحابہ کرام ؓ کے علاوہ ''کوفہ'' پندرہ سو اصحاب رسول ﷺ کا مسکن اور ان کی علمی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ ''کوفہ کی اس علمی شہرت پر باب علم حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے خلافت اسلامیہ کا مرکزی شہر دارالخلافہ ''کوفہ'' کو قرار دیا تو ''کوفہ'' کی علمی تابانیوں کو چار چاند لگ گئے۔

حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَإِنَّمَاظَهَرَ عِلْمُ عَلِيّ وَفِقْهِهٖ فِى الْكُوْفَةِ.

حضرت علی ؓ کا علم اور فقہ ''کوفہ'' میں ظاہر ہوا۔[1]

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ''کوفہ'' کے اس علمی ماحول میں پرورش پائی اور اپنے وقت کے کبار صحابہ کرام ؓ اور تابعین رحمھم اللہ، فقہاء اور محدثین سے علم حاصل کیا۔ مؤرخ کبیر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (م ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ بعض محدثین نے تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے سات صحابہ کرام ؓ سے روایت حدیث کی ہے[2] حافظ عبدالقادر قرشی (م ۷۷۵ھ) نے ان سات صحابہ کرام ؓ کے درج ذیل اسماء ذکر کیے ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن انیس ؓ، (۲) حضرت عبداللہ بن جزء زبیدی ؓ،
(۳) حضرت انس بن مالک ؓ، (۴) حضرت جابر بن عبداللہ ؓ
(۵) حضرت معقل بن یسار ؓ، (۶) حضرت واثلہ بن اسقع ؓ
(۷) حضرت عائشہ بنت عجرد ؓ[3]

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ نے ''کوفہ'' کے اہل علم کے علاوہ دوسرے اصحابِ علم و فضل مثلاً بصرہ وغیرہ اور خاص کر حرمین کے حضرات اہل

۱۔ منهاج السنة ۳/۱۳۷.
۲۔ البدائية والنهاية ج۷ ص ۸۶
۳۔ الجواهر المضية : ج ۱ ص ۲۸

علم سے بھی استفادہ فرمایا۔

آپ نے پچپن حج کیے اور ہر سفر میں علمی استفادہ فرمایا۔اس دور میں حصول علم کا ایک ذریعہ سفر حج بھی تھا۔آپ نے پہلا حج اپنے والد گرامی رحمہ اللہ کی ہمراہی میں سولہ برس کی عمر میں کیا اور صحابی رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی ۔یہ سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو وہ ہیں جن سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے براہ راست استفادہ کیا۔کل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو بلاواسطہ یا بل واسطہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شیوخ ہیں ان کی تعداد سینکڑوں ہے۔

علاوہ ازیں آپؒ نے چار ہزار تابعینؒ اور تبع تابعینؒ سے علم دین حاصل کیا۔

حضرت خلف بن ایوبؒ فرماتے ہیں:۔

صَارَ الْعِلْمُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى اِلٰى مُحَمَّدٍ ثُمَّ صَارَ اِلٰى اَصْحَابِهٖ، ثُمَّ صَارَ اِلَى التَّابِعِيْنَ، ثُمَّ صَارَ اِلٰى اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَصْحَابِهٖ. فَمَنْ شَاءَ فَلْيَرْضَ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَسْخَطْ.[1]

علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد ﷺ کے پاس آیا پھر صحابہ میں تقسیم ہوا، پھر تابعین میں،اس کے بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ میں آیا۔اب جو چاہے تو خوش ہو جائے اور جو چاہے تو ناراض ہو۔

۱۔ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۶

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے جب مسند علم سجائی تو اطراف عالم سے طالبان علم آپؒ کے ہاں اکٹھے ہو گئے ۔آپؒ کے درس میں قرآن وسنت سے مستنبط ہونے والے مسائل کو علم فقہ اور آپ کے درس کو درس فقہ کا نام دیا گیا۔یہ درس تحصیل علم کا آخری درس ہوتا تھا اور اس درس سے استفادہ کرنے والے وہ حضرات ہوتے تھے جو ادب ولغت ،روایت حدیث اور تفسیر کا علم حاصل کر چکے ہوں ۔یہ طالبان علم محدثین سے حدیث رسول ﷺ کے حصول کے بعد استنباطی مسائل کا درس لیتے تھے ۔درس فقہ کا درجہ حدیث ،تفسیر اور باقی علوم اسلامیہ سے فائق ہوتا تھا۔اس لئے محدث ،مفسر ادیب وغیرہ اپنے اپنے فن میں ماہر ہوتے جب کہ فقیہ کے لئے تمام علوم وفنون کا ماہر ہونا ضروری تھا اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے عبداللہ بن عمروؒ کا بیان ہے کہ مشہور محدث حضرت امام اعمشؒ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ایک محفل میں رونق افروز تھے اس محفل میں ایک مسئلہ پیش آیا حضرت امام اعمش محدثؒ اس کا حل نہ بتا سکے آپؒ کے شاگرد امام ابوحنیفہؒ نے بتا دیا، حضرت امام اعمش محدثؒ نے آپؒ سے پوچھا یہ جواب آپ نے کس دلیل سے دیا حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: اسی حدیث سے جو ہم نے آپ سے روایت کی ہے۔اس پر حضرت امام اعمش محدثؒ نے اپنے شاگرد حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اس تفقہ کی داد دیتے ہوئے فرمایا:۔

نَحْنُ الصَّيَادِلَةُ وَاَنْتُمُ الْاَطِبَّاءُ.[1]

ہم تو (دواؤں کا ذخیرہ رکھنے والے) عطار ہیں اور تم طبیب ہو۔

۱۔ جامع بیان العلم ۲/ ۱۳۰، ۱۳۱.

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا درس بھی کتاب اللہ اور حدیث رسول ﷺ سے ہوتا تھا، چنانچہ صدر الائمۃ مکیؒ فرماتے ہیں:

کان أبو حنیفہؒ یروی أربعہ آلاف حدیث، الفین لحماد والفین لسائر المشیخة.[1]

امام ابوحنیفہؒ نے چار ہزار حدیثیں روایت کی ہیں، دو ہزار حماد کے طریق سے اور دو ہزار باقی شیوخ سے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے علم حدیث میں اس تبحر پر امام شمس الدین الذہبیؒ نے انھیں حفاظ حدیث میں شمار کرتے ہوئے اپنی شہرہ آفاق کتاب "تذکرة الحفاظ" میں آپ کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔

علامہ ذہبیؒ نے آپ کے تذکرہ کا آغاز "الامام الاعظم ورفقیہ العراق" کے القاب سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

وکان اماماً، ورعاً، عالماً، عاملاً، متعبداً، کبیر الشان لایقبل جوائز السلطان بل یتجرو یکتسب.[2]

امام ابوحنیفہؒ امام، پرہیزگار، عالم باعمل، بہت زیادہ عبادت گزار اور بلند پایہ مقام کے مالک تھے، بادشاہوں کے تحائف قبول نہیں کرتے تھے۔ بلکہ خود مزدوری کر کے روزی کماتے تھے۔

مولانا ابراہیم سیالکوٹی غیر مقلد اس حوالہ کو نقل کرنے کے بعد ارقام

۱۔ مناقب ابی حنیفہؒ ص ۸۵ للمکی
۲۔ تذکرةالحفاظ ج ۱ ص ۱۲۶

فرماتے ہیں: سبحان اللہ، کیسے مختصر الفاظ میں کس خوبی سے ساری حیات طیبہ کا نقشہ سامنے رکھ دیا ہے اور آپ کی زندگی کے ہر علمی و عملی شعبہ اور قبولیت عامہ اور غنائے قلبی اور احکام وسلاطین سے بے تعلقی وغیرہ فضائل میں سے کسی بھی ضروری امر کو چھوڑ کر نہیں رکھا۔[1]

نیز محدث حضرت امام شمس الدین محمد بن احمد المقدسی الحنبلیؒ اپنی مشہور کتاب "المختصر فی طبقات علماء الحدیث" میں اور حافظ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) نے طبقات الحفاظ ص ۸۰ میں آپ کا شاندار تذکرہ کیا ہے اور آپ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔

ان ائمہ حدیث کی شہادت سے امام اعظم ابوحنیفہ کی جلالت شان اور تبحر علمی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپؒ کے درس سے اطراف عالم کے طالبان علم نے استفادہ کیا آپ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد کا شمار ممکن نہیں آپؒ کے تلامذہ میں کبار تابعین، محدثین اور فقہا رحمھم اللہ شامل ہیں۔ ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام مالکؒ آپ کے بلاواسطہ شاگرد ہیں جب کہ حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ دونوں ائمہ فقہ اور مصنفین صحاح ستہ (چھ ائمہ حدیث) آپؒ کے تلامذہ کے ہیں۔

حضرت امام بخاریؒ کے ستائیس اساتذہ آپؒ کے شاگرد ہیں، چونسٹھ جلیل القدر راویان حدیث جن کی عدالت اور صحت پر ائمہ جرح وتعدیل کا اتفاق ہے

۱۔ تاریخ اهل حدیث. ص ۷۹، ۸۰

ان کی سند علم حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے متصل ہے حضرت امام بخاریؒ کو اپنی ''صحیح بخاری'' میں ثلاثیات یعنی ایسی روایت جس میں رسول اللہ ﷺ تک فقط تین واسطے ہوں پر بڑا ناز ہے اور واقعۃً یہ بڑی سعادت اور فخر کی بات ہے۔ ''صحیح بخاری'' میں کل ثلاثیات بائیس ہیں جن میں سے بیس ثلاثیات حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے تین خصوصی تلامذہ اور مقلدین امام مکی بن ابراہیمؒ، امام ابو عاصم نبیلؒ اور امام محمد بن عبداللہ انصاریؒ سے مروی ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے علمی فیض کو رب تعالیٰ نے آسمان علم پر سورج کی طرح روشن کیا، فقہ، حدیث، تفسیر کا شاید ہی کوئی درس یا مکتب فکر ہو جو آپ سے مستفیض نہ ہو۔ حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے اس علمی احسان پر آپ کو امت نے امام ابوحنیفہ کا خطاب دیا کہ جس طرح ایک باپ اپنی اولاد کے مستقبل کے لیے ان کی سہولت کا ہر سامان اکٹھا کرتا ہے اسی طرح حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہؒ نے امت کی عملی زندگی کی ضرورت فقہی مسائل کو مستنبط، مدوّن اور مرتب فرمایا۔

جزاہ اللہ تعالیٰ احسن مایجازی المحسنین. امین

تعصب کا کیا علاج ہو کہ عمل بالحدیث کے دعوے دار اور عملاً انکار حدیث کے پیروکار ''جماعت غیر مقلدین'' نے یہ مشہور کیا ہوا ہے کہ آپؒ کی بیٹی کا نام حنیفہ تھا آپ اس سے مسائل پوچھا کرتے تھے اس لیے آپ کی کنیت ابوحنیفہ ہے سچ ہے کہ متعصب کے منہ میں خاک بھری جاتی ہے۔ ابوحنیفہؒ حضرت امام اعظم کی خود ساختہ کنیت نہیں بلکہ امت کا عطاء کردہ اعزازی لقب ہے۔

حضرت حافظ ابن حجر مکیؒ نے تصریح کی ہے کہ آپ کی حنیفہ نام کی کوئی بیٹی نہیں تھی کہ جس کی وجہ سے آپ کو ابوحنیفہ کہا گیا ہے۔[۱]

ساری امت حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اس علمی احسان کی ممنون اور آپؒ کی ثنا (تعریف) میں رطب اللسان ہے۔ صحیح بخاری کی پہلی حدیث کے راوی حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں:

اوّل من صیّرنی محدثاً ابو حنیفۃؒ.[۲]

کہ مجھے محدّث بنانے (حدیث سکھانے) والے پہلے صاحب ابوحنیفہؒ ہیں۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ: رحم اللہ اباحنیفہ کان اماما.[۳]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی امام ابوحنیفہ پر رحمت ہو وہ (علم حدیث کے) امام تھے۔

امام یزید بن ہارون فرماتے ہیں: میں نے ایک ہزار مشائخ سے ملاقات کی ہے اور ان میں سے اکثر سے احادیث لکھی ہیں۔ لیکن ان سب میں سے بڑے فقیہ، سب سے زیادہ پارسا اور سب سے بلند پایہ عالم پانچ شخصوں کو پایا ہے ان میں اوّلین مقام امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔[۴] امام شافعیؒ نے تمام فقہاء کو

۱۔ ''الخیرات الحسان'' ص ۴۵

۲۔ ''الجواهر المضیه'' ج ۱ ص ۲۵۰

۳۔ (جامع بیان العلم وفضله ج ۲ ص ۱۶۳)

۴۔ ''الجواهر المضیه'' ج ۱ ص ۲۹

آپ کا خوشہ چین قرار دیا۔[1]

مشہور غیر مقلد مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب نے تصریح کی ہے کہ حفاظ حدیث میں سے امام یحییٰ بن معینؒ، امام علی بن مدینیؒ، امام شعبہؒ اور امام سفیان ثوریؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی توثیق کی ہے۔[2]

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنی حیاتِ مستعار کے ایک ایک لمحہ کو خدمتِ علم اور تقویٰ و پرہیزگاری میں بسر کیا۔ آپؒ نے تمام عمر اپنے ذاتی کاروبار سے گزر بسر کی غربا اور طلباء کی خدمت کی اور حکومتی عہدہ قبول نہ فرمایا۔ عباسی حکمران منصور نے عہدہ قضاء کی سربراہی (چیف جسٹس) آپ کے سپرد کرنا چاہی تو آپؒ نے اس کی حکومت کے غیر شرعی اقدامات کی بنا پر یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا، اس آوازِ حق کی پاداش میں آپ کو قیدِ زنداں میں ڈال دیا گیا جیل خانہ میں قید ہونے پر جب آپؒ کی مقبولیت پہلے سے زیادہ ہو گئی تو خلیفہ منصور نے آپ کو زہر دلوا دیا۔

شہادت فی سبیل اللہ آپؒ کا مقدر تھا۔ جب زہر کا اثر معلوم ہوا تو سجدہ میں گر گئے اور وہیں جانِ جان آفریں کے سپرد کر دی۔ یہ ۱۵۰ھ مطابق ۷۶۷ء کا واقعہ ہے۔ مرکزِ علم "بغداد" میں آپؒ کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ اہل بغداد کا بیان ہے کہ ایسا عظیم جنازہ اور مخلوقِ خدا کا ایسا خراجِ عقیدت بغداد کی زمین کو دیکھنا پھر نصیب نہیں ہوا اور نہ کوئی ایسا رجلِ رشید ہوگا کہ مستقبل میں دیکھنا

۱۔ تاریخ بغداد (ج ۱۳ ص ۳۴۵)

۲۔ تحقیق الکلام ج ۲ ص ۱۴۵

نصیب ہو۔

حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کی ان دینی خدمات اور علمی شان پر محدثین نے آپ کو حدیث "ابناء فارس" کی پیشن گوئی کا مصداق قرار دیا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ حضرت سلمان فارسیؓ پر اپنا دست مبارک رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اگر ایمان ثریا ستارے کے پاس بھی ہو تو ان (فارسی النسل) لوگوں میں سے کچھ مرد یا ایک مرد اس کو پالے گا۔ امام حافظ محمد بن یوسف صالحی شافعیؒ (م ۹۴۲ھ) جو امام سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) کے مایہ ناز شاگرد ہیں، فرماتے ہیں کہ: ہمارے شیخ (امام سیوطیؒ) نے بڑے یقین کے ساتھ فرمایا ہے کہ اس حدیث کے مصداق امام ابوحنیفہؒ ہیں۔ اور یہ بات حقیقت ہے اور شک وشبہ سے بالا ہے کیونکہ فارسی النسل لوگوں میں سے کوئی شخص بھی امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے تلامذہ کے علمی مقام کو نہ پہنچ سکا۔[1]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) اور نواب صدیق حسن خانؒ غیر مقلد (م ۱۳۰۷ھ) نے بھی اس حدیث کا مصداق امام صاحب کو قرار دیا ہے۔[2]

۱۔ عقود الجمان ص ۴۵

۲۔ "کلماتِ طیبات" ص ۱۶۸، "اتحاف النبلاء" ص ۴۲۴ ص ۴۵

فقہ حنفی کا تعارف

از: مولانا نثار احمد الحسینی دامت برکاتہم، حضرو، اٹک

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ .

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ سید المرسلین: أمابعد:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ تابعین کے درخشاں دور کے اکابر ائمہ میں سے ہیں، یہ جدال ونزاع کا زمانہ نہ تھا۔ اخلاص وللہیت کی برکت نے امت کو اتحاد ومودت کے رشتہ میں یک قالب کر رکھا تھا۔ نہ جاننے والے جاننے والوں پر اعتماد کرتے تھے اور جاننے والے اپنی ذمہ داری کو پوری طرح نبھاتے ہوئے امت کی رہنمائی کر رہے تھے۔ اس وقت عالم اسلام میں کوفہ علومِ اسلامیہ کا سب سے بڑا گہوارہ تھا جس کے صدر نشین حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ تھے۔ آنے والے پُر آشوب دور کی نزاکتوں کا احساس کرتے ہوئے حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہؒ نے قرآن وحدیث اور اثار صحابہؓ میں بکھرے ہوئے بے شمار فقہی مسائل کو ایک جگہ جمع کرنے کا کام شروع کیا۔ صدر الائمہ لکھتے ہیں کہ:۔

وابوحنیفه رحمه الله اول من دوّن علم هذه الشريعة لم يسبقهٔ احدممن قبلهٔ.[1]

[1] مناقب ابوحنیفه للموفق ج ۲ ص ۱۳۶

امام ابوحنیفہؒ نے سب سے پہلے علم شریعت کی تدوین کی، ان سے پہلے کسی نے (اس طرح کی) تدوین نہیں کی۔

اور امام سیوطیؒ، امام صاحبؒ کی خصوصیات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

أنهٔ أوّل من دوّن علم الشريعة ورتّبهاأبواباًثم تبعهٔ مالک بن أنسؓ فی ترتيب المؤطاولم يسبق اباحنيفةؒ احدلأن الصحابةؓ والتابعين لم يضعوافی علوم الشريعة أبوابا مبوّبةًولا كتباًمرتّبةً وانّما كانوايعتمدون علىٰ قوّة حفظهم فلمارأى أبوحنيفةؒ العلم منتشراًوخاف عليه الضياع دوّنه فجعلهٔ،أبوابا.[1]

سب سے پہلے انہوں نے علمِ شریعت کی تدوین کی ہے اور ابواب میں اس کی ترتیب دی ہے۔ پھر امام مالکؒ نے مؤطا میں ان کی پیروی کی ہے امام ابوحنیفہؒ سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا کیونکہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ علومِ شریعت میں ابواب اور کتابوں کی ترتیب کا کوئی اہتمام نہیں کیا، وہ تو صرف اپنے حافظہ پر اعتماد کرتے تھے، جب امام ابوحنیفہؒ نے علوم کو منتشر ہوتے ہوئے دیکھا اور انہیں اس کے ضائع ہوجانے کا خوف ہوا تو اسے ابواب میں مدوّن کردیا۔

[1] تبییض الصحیفه ص ۳۶

امام ابن حجر مکیؒ امام صاحب کے خصائص بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

أنه أوّل من دوّن علم الفقه ورتّبهٗ أبواباً وكتبَ على نحوماهو عليه وتبعهٗ مالک فی موطئهٖ ،ومن قبلهٗ انما كانويعتمدون على حفظهم وهواوّل من وضع كتاب الفرائض و كتاب الشروط۔[1]

انہوں نے سب سے پہلے فقہ کی تدوین کی ہے اوراس کوابواب اورکتب میں مرتب کیاہے جیسا کہ آج موجود ہے ،پھران کی پیروی امام مالکؒ نے اپنی موطا میں کی ہے اس سے قبل لوگ حافظہ پر بھروسہ کرتے تھے ،اورسب سے پہلے کتاب الفرائض اورکتاب الشروط بھی امام ابوحنیفہؒ ہی نے وضع کی ہے۔

اس خدمت تدوین وترتیب کے لیے حضرت امام اعظمؒ نے اپنے ہزارہا تلامذہ میں سے چالیس حضرات کومنتخب فرمایاجن میں سے ہرایک علم وفضل میں یگانہ روزگاراورامامِ وقت تھا۔امام طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) نے سند متصل کے ساتھ امام اسد بن فرات (م ۲۱۳ھ) سے نقل کیاہے کہ:

كان أصحاب أبی حنيفةؒ الذين دوّنوا الكتب أربعين رجلاً، فكان فی العشرة المتقدمين أبويوسف وزفروداؤدالطائی وأسد بن عمروويوسف بن خالدالسمتی ويحيى بن زكريّا بن أبی زاهده ،

۱۔ الخيرات الحسان ص۲۸

وهو الذی كان يكتبها لهم ثلاثين سنة.[1]

امام ابوحنیفہ کے تلامذہ جنہوں نے ان کے ساتھ مل کرفقہ کی تدوین کی چالیس حضرات تھےاوران میں سے بھی جودس متقدمین تلامذہ تھےان میں سے چند کے نام یہ ہیں،امام ابویوسف،امام زفر،امام داؤدطائی،امام اسد بن عمرو،امام یوسف بن خالد سمتی (استاذامام شافعی)اوریحیی بن زکریا بن ابی زائدہ ،اورامام یحیی ہی ان حضرات کے لیے تیس سال کتابت کی خدمات سرانجام دیتے تھے۔

ایک دفعہ کسی شخص نے محدث کبیرامام وکیع بن جراح (م ۱۹۷ھ) کے سامنے یہ کہہ دیاکہ امام ابوحنیفہؒ نے فلاں مسئلہ میں غلطی کی ہے،اس پرانہوں نے اس شخص کوڈانٹتے ہوئے فرمایا:

كيف يقدرأبوحنيفه يخطئی ومعهٗ مثل ابی يوسف وزفر فی قياسهما،ومثل يحيى بن أبی زائده وحفص بن غيّاث وحبان ومندل فی حفظهم الحديث ،والقاسم بن معن فی معرفتهٖ بالغة العربية ،وداؤد الطائی وفضيل بن عياض فی زهدهما وورهما؟ من كان هؤلاء جلساؤه لم يكديخطئی لأنهٗ ان أخطأ

۱۔ الجواهرالمضية ج۲ص ۲۱۲،۲۱۱

ردواہ.[1]

امام ابوحنیفہؒ کیسے غلطی کر سکتے تھے حالانکہ ان کی مجلس میں ابویوسف اورزفر بن ھزیل جیسے قیاس میں ماہر، یحیی بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث، حبان اور مندل جیسے حفاظ حدیث، قاسم بن معن جیسے لغت کے امام اور داؤد طائی و فضیل بن عیاض جیسے زہد و تقوی کے پہاڑ موجود تھے، جس شخص کی مجلس میں ایسے بڑے بڑے اہل علم موجود ہوں وہ کیسے غلطی کر سکتا ہے؟ اگر اس سے کوئی غلطی ہوتی بھی تو وہ اس کو صحیح راستہ کی طرف متوجہ کر دیتے۔

امام صدر الائمہؒ اس شورائی تدوین فقہ حنفی کی کیفیت بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

فوضع ابوحنیفةؒ مذهبهٗ شوریٰ بینهم لم یستبدفیه بنفسهٖ دونهم اجتهادًامنه فی الدّین ومبالغةً فی النصحة للّٰهِ ورسولهٖ و المومنین فکان یلقی مسئلةمسئلة ویسمع ماعندهم ویقول ما عندهٗ ویناظرهم شهراً اواکثرمن ذالک حتیٰ یستقراحد الاقوال فیها ثم یثبتها أبویوسفؒ فی الاصول حتیٰ اثبت الاصول کلها.[2]

۱۔ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۲۵۰

۲۔ مناقب ابی حنیفةؒ للموفق ۲ ص ۱۳۳

امام ابوحنیفہؒ نے اپنا مذھب ان میں بطور شوریٰ رکھا تھا اور اپنے اصحاب کے بغیر محض اپنی رائے ہی میں وہ مستبد نہ رہتے تھے اور یہ سب کچھ انہوں نے دین میں احتیاط اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق اور مسلمانوں کے حق میں خیر خواہی کے جذبہ کے تحت کیا۔ چنانچہ وہ ان کے سامنے ایک ایک مسئلہ پیش کرتے، ان کی رائے سنتے اور اپنا نظریہ بیان فرماتے اور ایک ایک مہینہ بلکہ ضرورت پڑتی تو اس سے بھی زیادہ عرصہ تک اس میں مناظرہ اور مباحثہ کرتے رہتے حتیٰ کہ جب کسی ایک قول پر سب کی رائے جم جاتی تو اس کے بعد امام ابویوسفؒ اس کو اصول میں درج کر دیتے یہاں تک کہ سب اصول انہوں نے منضبط کر دیئے۔

فقہ حنفی کی تدوین وترتیب کے لیے یہ بحث کتنی تحقیق اور محنت سے ہوئی تھی، صرف ایک مسئلہ کی تحقیق کے لیے امام الحدیث حضرت امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: فخاضوا فیهاثلاثة أیامٍ بالغداة و العشیّ.[1]

اس مسئلہ کی تحقیق میں ارکانِ مجلس تین دن صبح شام غور وخوض کرتے رہے۔ کئی برسوں کی طویل مدت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی سرپرستی میں اس فقہی شوریٰ کی تحقیق اور محنت سے فقہ حنفی کے مسائل کا یہ مجموعہ مرتب ہوا۔

حضرت ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

۱۔ مناقب ابوحنیفةؒ للموفق ۲/۵۴

أنه وضع ثلاثة وثمانين ألف مسئلة منها ثمانية وثلاثون الفاً فى العبادة والباقى فى المعاملات .[1]

امام صاحبؒ نے تراسی ہزار مسئلے طے کئے ان میں سے اڑتالیس ہزار عبادت سے متعلق اور باقی معاملات سے متعلق تھے۔

فقہ حنفی کے ان مسائل کی تدوین روایات کی صورت میں حضرت امام ابو یوسفؒ اور دوسرے جلیل القدر فقہاء کے مبارک ہاتھوں ہوئی اور ان مسائل کی تصویر حضرت امام محمد بن حسنؒ نے اپنی کتب میں فرمائی جو آج بھی امت تک تواتر وتوارث سے پہنچی ہیں۔ روایات وآثار کی صورت میں ان مسائل کو اُس دور کے اسالیب کے مطابق مختلف مجموعوں میں لکھا گیا حضرت امام محمد بن حسن کی یہ کتب "ظاهر الروايه" کہلاتی ہیں۔ "ظاهر الروايه" حضرت امام محمد بن حسنؒ کی چھ تالیفات "المبسوط"، "الزّيادات"، "السّير الصغير"، "السّير الكبير"، "جامع الصغير"، "جامع الكبير" کا مجموعہ ہے۔ فقہ حنفی حضرت امام اعظمؒ کی سرپرستی مرتب شدہ اسی "ظاهر الرّوايه" کا نام ہے۔ "ظاهر الرّوايه" میں مسائل آیات، احادیث اور آثار کی روشنی میں لکھے گئے۔ اس وقت اکثر مسئلہ اپنے ماٰخذ یا دلیل سمیت لکھا جاتا تھا۔ بعد میں عام لوگوں کے استفادہ کے لیے انہی مسائل کو یا ان کی روشنی میں استنباطی مسائل کو "المختصر القدوری" "كنز الدقائق" وغیرہ کتب میں ابواب کے ذیل میں لکھا گیا۔

[1] ذیل الجواهر ج ۲ ص ۴۷۳

فقہ حنفی کے اس اجمالی تذکرہ سے یہ وضاحت ہو جاتی ہے کہ فقہ حنفی قرآن وسنت سے الگ کسی نئے راستہ کا نام نہیں بلکہ یہ قرآن وسنت کا ہی فیض ہے۔ اور اس کا ہر مسئلہ اپنے ماٰخذ سے متصل اور اس کی ہر سند قرآن وسنت سے مستند ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فقہ حنفی کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے تمام عالم میں مقبول بنا دیا۔

مشہور مؤرخ علامہ ابن خلدونؒ (م ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہؒ کے مقلد اس وقت عراق، ہندوستان، چین، ماوراء النہر اور تمام بلاد عرب وعجم میں پھیلے ہوئے ہیں۔[1]

عہد تابعین، جسے حدیث میں خیر القرون (زمانوں میں بہترین زمانہ) کہا گیا ہے، میں مرتب کیے ہوئے اس مجموعہ خیر کو اگر آج کا کوئی حدث (نئی پود) قرآن وسنت سے متصادم کہے تو تیرہ صدیوں کے اس تواتر اور امت کے عملی توارث کے مقابل اس (نئی پودہ) کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی زبانی یاد کرا دیا جائے۔

انْ يَحْسُدُوْنِىْ فَاِنِّىْ غَيْرُلَائِمِهِمْ
قَبْلِىْ مِنَ النَّاسِ اَهْلَ الْفَضْلِ قَدْحُسِدُوْا
فَدَامَ لِىْ وَلَهُمْ مَابِىْ وَمَابِهِمْ
وَمَاتَ اَكْثَرُنَا اَغَيْظَامِ بِمَايَجِدُ

اگر یہ مجھ سے حسد کرتے ہیں تو کرتے رہیں میں انہیں کچھ ملامت نہ

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۴۴۵

چہل حدیث مسائل نماز

مسائل نماز سے متعلق چالیس احادیث

عربی متن اُردو ترجمہ اور جامع تشریح کے ساتھ

کروں گا۔ اس لیے کہ مجھ سے پہلے بھی اہل فضل پر لوگ حسد کرتے ہی رہے ہیں۔

میرا اور ان کا یہ شیوہ ہمیشہ ہی رہے گا اور ہم میں سے اکثر اپنے اپنے شیوہ پر (یعنی میں اچھا بدلہ دینے اور حاسد اپنی) اسی حسد سے مرتے رہیں گے۔

مشہور امام ادب علامہ محمود زمخشریؒ حضرت امامِ اعظم ابو حنیفہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:[1]

الجود والحلم حاتمي وأحنفيٌ

والدين والعلم حنيفي وحنفيّ

اللہ تعالیٰ نے زمین کو بلند و مضبوط پہاڑوں سے جکڑ دیا جیسے ملت حنیفہ کو امام ابو حنیفہؒ کے علوم سے مضبوط کر دیا۔

جلیل القدر ائمہ احناف ہی ملت حنیفہ کی باگیں ہیں۔

سخاوت اور حلم اگر حاتمی اور احنفی ہے تو پھر دین اور علم حنیفی اور حنفی ہے۔

۱۔ الروض الباسم عن سنة أبي القاسم للحافظ ابن الوزيرؒ ج ۱ ص ۳۱۱

حدیث نمبر ۱

اوقاتِ نماز

اللہ تعالیٰ نے ہر عاقل بالغ صحت مند (جو نماز پڑھ سکتا ہو) پر پانچ وقتہ نمازیں فرض کی ہیں اور ان نمازوں کو ان کے مقررہ اوقات میں پڑھنا ضروری قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا.[1]

ترجمہ:۔ بے شک نماز مومنوں پر اپنے مقررہ اوقات میں فرض کی گئی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ان نمازوں کے اوقات کی تفصیل اس طرح ارشاد فرمائی ہے:

(۱) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَقْتُ الظُّھْرِاِذَازَالَتِ الشَّمْسُ وَکَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ کَطُوْلِہٖ مَالَمْ تَحْضُرِ الْعَصْرُ، وَ وَقْتُ الْعَصْرِمَالَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَ وَقْتُ الصَّلٰوۃِ الْمَغْرِبِ مَالَمْ یَغِبِ الشَّفَقُ، وَوَقْتُ صَلٰوۃِ الْعِشَآءِ اِلٰی نِصْفِ اللَّیْلِ الْاَوْسَطِ، وَوَقْتُ صَلٰوۃِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوْعِ

[1] (النساء: ۱۰۳)

الْفَجْرِ مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ.[۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رَضِیَ اللّٰہ عَنْہُمَا روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے جب سورج ڈھل جائے اور یہاں تک کہ آدمی کا سایہ اس کی لمبائی کے برابر ہوجائے جب تک کہ وقتِ عصر نہ آجائے۔ اور عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ سورج زرد نہ ہوجائے، (اس کے بعد مغرب تک عصر کا مکروہ وقت ہے)۔ اور مغرب کی نماز کا وقت (غروب آفتاب سے لے کر) اس وقت تک ہے جب تک کہ شفق غائب نہ ہوجائے۔ عشاء کی نماز کا وقت ٹھیک آدھی رات تک ہے۔ صبح کی نماز کا وقت طلوعِ فجر سے اس وقت تک ہے جب تک کہ سورج نہ نکل آئے۔

﴿ف﴾ حدیث بالا میں دو باتیں قابلِ وضاحت ہیں۔

(۱) حدیث میں مغرب کا انتہائی وقت شفق کا غائب ہونا ارشاد ہوا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کے نزدیک شفق سے مراد وہ سفیدی ہے جو شام کو افق (آسمان کے کنارے) پر سرخی ختم ہونے کے بعد نمودار ہوتی ہے، اور اس کے بعد اندھیرا چھا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث نمبر ۵ میں آرہا ہے۔

۱۔ صحیح مسلم، باب اوقات الصلوات الخمس، رقم الحدیث (۱۳۳۱)

(۲) حدیث بالا میں عشاء کا انتہائی وقت نصف رات تک ارشاد ہوا ہے لیکن بعض احادیث میں ثلث رات تک اور بعض احادیث میں طلوعِ فجر تک بھی مذکور ہے۔ فقہاء نے ان سب احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے فیصلہ کیا ہے کہ عشاء کا افضل وقت ثلث رات تک ہے، اس کے بعد نصف رات تک کم درجہ فضیلت کا وقت ہے اور اس کے بعد طلوعِ فجر تک عشاء کا غیر افضل (مکروہ) وقت ہے۔[۱]

علامہ شوکانی غیر مقلد (م ۱۲۵۵ھ) کا بھی تقریباً یہی موقف ہے۔[۲]

۱۔ شرح معانی الآثار، باب مواقیت الصلوٰۃ (۱/۱۰۹) للطحاویؒ، آثار السنن، باب المواقیت (ص ۹۵) للنیمویؒ

۲۔ نیل الاوطار (۱/۳۳۲)

حدیث نمبر ۲

ظہر کا آخری اور عصر کا ابتدائی وقت

ظہر کے آخری اور عصر کے ابتدائی وقت میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کے نزدیک ظہر کا وقت دو مثل تک رہتا ہے یعنی جب آدمی کا سایہ (علاوہ سایہ اصلی کے) لمبائی میں اس کے دوگنا ہو جائے، اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ امام صاحبؒ کی دلیل درج ذیل حدیث ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ: قَالَ: اِنَّمَا اَجَلُكُمْ فِىْ اَجَلِ مَنْ خَلَا مِنَ الْاُمَمِ مَابَيْنَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ وَاِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَمَثَلُ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى كَرَجُلٍ نِ اسْتَعْمَلَ عُمَّالاً، فَقَالَ مَنْ يَّعْمَلُ لِىْ اِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ فَعَمِلَتِ الْيَهُوْدُ اِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ يَّعْمَلُ لِىْ مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ اِلٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ فَعَمِلَتِ النَّصَارٰى مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ اِلٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ يَّعْمَلُ لِىْ مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ عَلٰى قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ، اَلَا فَاَنْتُمُ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ عَلٰى قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ اَلَا لَكُمُ الْاَجْرُ مَرَّتَيْنِ فَغَضِبَ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فَقَالُوْا

نَحْنُ اَكْثَرُ عَمَلًا وَاَقَلُّ عَطَاءً، قَالَ اللّٰهُ وَهَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ شَيْئًا، قَالُوْا لَا، قَالَ اللّٰهُ فَاِنَّهُ فَضْلِىْ اُعْطِيْهِ مَنْ شِئْتُ۔[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ: تمہاری عمریں ان دیگر امتوں کی عمروں کے مقابلے میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں، ایسی ہیں جیسے کہ (پورے دن کے مقابلے میں) نماز عصر سے غروب آفتاب تک کا درمیانی وقت ہے اور تمہاری مثال اور یہود و نصاریٰ کی مثال (اللہ رب العزت کی بارگاہ میں) ایسی ہے جیسے کوئی شخص کچھ مزدوروں کو اجرت پر کام کرنے کے لیے بلائے اور ان سے کہے کہ کون ہے جو ایک ایک قیراط (اجرت) پر دوپہر تک میرا کام کرے؟ چنانچہ یہود نے ایک ایک قیراط (اجرت) پر دوپہر تک کام کیا، پھر اس شخص نے کہا کہ کون ہے جو ایک ایک قیراط (اجرت لے کر) دوپہر سے نماز عصر تک میرا کام کرے؟ چنانچہ نصاریٰ نے دوپہر سے نماز عصر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا، پھر اس شخص نے کہا کون ہے جو دو دو قیراط لے کر میرا کام کرے؟ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) یاد رکھو تم مسلمان ہی وہ مزدور ہو جو نماز عصر سے غروب آفتاب تک کام کرنے والے ہو، اور یاد رکھو تمہارا اجر ہی (یہود و نصاریٰ کے مقابلے میں) دوگنا ہے۔ اس

---

[1] (صحیح البخاری، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، رقم الحدیث (۳۴۵۹)، (۴۹۱/۱)

پر یہود ونصاریٰ غضب ناک ہوئے اور کہنے لگے کہ عمل کے لحاظ سے تو ہم بہت بڑھے ہوئے ہیں لیکن اجر میں ہم کم ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا کہ کیا میں نے تمارے ساتھ کچھ ظلم کیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (مسلمانوں کو تھوڑا عمل کرنے کے باوجود اجر زیادہ دینا) یہ میرا فضل ہے، میں جس کو چاہتا ہوں دے دیتا ہوں۔

اس مذکورہ حدیث میں ظہر کا انتہائی وقت دو مثل تک ہونے پر استدلال یوں ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے مثال میں مسلمانوں کے عمل کی مقدار (عصر سے مغرب تک) کے مقابلہ میں نصاریٰ کے عمل کی مقدار (دوپہر یعنی ظہر سے عصر تک) زیادہ ہونا بتلائی ہے اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے جب ظہر کا انتہائی وقت دو مثل تک رہے لیکن اگر ظہر کا وقت صرف ایک مثل تک ہو تو پھر ظہر اور عصر کا درمیانی وقت، عصر اور مغرب کے درمیانی وقت سے کم ہو جائے گا، اس طرح مثال اور مُمثّلٌ لہٗ میں مطابقت نہیں رہے گی۔

اس بات کی تائید حضرت ابوہریرہ ؓ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے اپنے شاگرد کو اوقاتِ نماز بتلاتے ہوئے فرمایا:

صَلِّ الظُّهْرَ اِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَكَ وَالْعَصْرَ اِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَيْكَ.[1]

ظہر کی نماز پڑھو جب تمہارا سایہ تمہارے مثل (برابر) ہو جائے

۱۔ مؤطا امام مالکؒ (رقم الحدیث: ۹)

اور عصر کی نماز پڑھو جب تمہارا سایہ تمہارے دو مثل ہو جائے۔

اس بیان میں حضرت ابوہریرہؓ نے اپنے شاگرد کو ظہر ایک مثل کے بعد اور عصر دو مثل کے بعد پڑھنے کا حکم دیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد بھی رہتا ہے، جب کہ عصر کا وقت ایک مثل سے شروع نہیں ہوتا، بلکہ اس کا ابتدائی وقت دو مثل کے بعد ہے۔ بعض لوگوں کی طرف سے اس اثر کی یہ تاویل کرنا کہ اس میں ظہر اور عصر کا آخری وقت بیان کیا گیا ہے، یہ بالکل غلط ہے، ورنہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ عصر کا وقت دو مثل کے بعد ختم ہو جاتا ہے، حالانکہ صحیح حدیث (جو حضرت ابوہریرہؓ سے ہی مروی ہے) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے غروبِ آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت (جتنے وقت) کو بھی پالیا، اس نے عصر (کے وقت) کو پالیا۔[1]

علامہ امیر یمانی غیر مقلد (م ۱۱۸۲ھ) نے بھی اس حدیث سے یہی استدلال کیا ہے کہ عصر کا وقت غروبِ آفتاب تک ہے۔[2]

بعض احادیث میں ظہر کا انتہائی وقت ایک مثل تک بھی آیا ہے۔ چنانچہ بعض علماء نے ان دونوں قسم کی احادیث کو یوں جمع کیا ہے کہ ظہر کی نماز مثل اوّل سے پہلے پڑھ لی جائے اور عصر کی نماز دو مثل کے بعد پڑھی جائے، تاکہ دونوں قسم کی احادیث پر عمل ہو جائے۔

۱۔ ایضاً (رقم الحدیث: ۵)

۲۔ سبل السلام (۱/۱۱۱)

حدیث نمبر ۳

نمازِ ظہر کا مسنون وقت

ظہر کی نماز گرمی کے موسم میں اس قدر تاخیر سے پڑھنی چاہیے کہ گرمی کی شدت کم ہو جائے اور سردی کے موسم میں ظہر جلدی پڑھ لینی چاہیے، یہی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَاكَانَ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ، وَاِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ۔[1]

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ گرمی کے موسم میں (ظہر کی) نماز کو ٹھنڈا کر کے یعنی تاخیر سے پڑھتے تھے اور سردی کے موسم میں جلدی پڑھ لیا کرتے تھے۔

شیخ ناصر الدین البانی رَحِمَهُ اللّٰه (غیر مقلد) اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:۔ اسنادہ صحیح۔[2] اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

نیز متعدد صحیح احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

گرمیوں میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ کی وجہ سے ہے۔[3]

۱۔ سنن النسائی، باب تعجیل الظهر فی البرد، رقم الحدیث (۵۰۱)

۲۔ تحقیق المشکاۃ (۱/۱۹۵)

۳۔ دیکھئے صحیح البخاری (رقم الحدیث: ۵۳۲- ۵۳۹)، صحیح مسلم (رقم الحدیث ۱۳۳۸-۱۳۴۸)

ملحوظ رہے کہ یہ حکم سفر و حضر دونوں کے لیے ہے، اس لیے کہ ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کا مقصد نمازیوں کے لیے آسانی اور ان سے مشقت کو دُور کرنا ہے، کیونکہ گرمی کی شدت میں مسجد آنا مشکل ہے، اور اس حالت میں خشوع و خضوع (جو نماز کی اصل روح ہے) بھی پوری طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ علت سفر و حضر دونوں میں مشترک ہے، لہٰذا (ان عمومی احادیث کے مقابلے میں سفر کے ایک واقعہ کو لے کر) اس مسئلہ میں سفر اور حضر کی تفریق کرنا غلط ہے۔[1]

مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ غیر مقلد (م ۱۳۲۹ھ) نے بھی اس کی یہی علت بیان کی ہے،[2] اور انہوں نے یہ بھی تصریح کی ہے:

وقد تقرران وقائع الاعیان لا یحتج بها علی العموم۔[3]

یہ بات طے شدہ ہے کہ خاص واقعات کے ذریعے سے عمومی احادیث کے خلاف حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔

نیز علامہ امیر صنعانیؒ غیر مقلد (م ۱۱۸۳ھ)، علامہ شوکانیؒ غیر مقلد (م ۱۲۵۵ھ) اور علامہ وحید الزمانؒ غیر مقلد (م ۱۳۳۸ھ) نے بھی تصریح کی ہے کہ ظہر کی نماز گرمیوں میں تاخیر سے پڑھنا افضل ہے، اور انہوں نے بھی اس حکم کو سفر کے ساتھ خاص نہیں کیا۔[4]

۱۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری (۵/۳۶،۳۷)

۲۔ عون المعبود شرح سنن ابی داؤد (۱/۳۰۴)

۳۔ ایضاً (۲/۳۲۸)

۴۔ سبل السلام (۱/۱۱۳)، نیل الاوطار (۱/۳۲۶)، نزل الابرار (ص ۵۷)

حدیث نمبر ٤

نمازِ عصر کا مسنون وقت

عصر کی نماز کو بھی تاخیر سے پڑھنا مسنون ہے لیکن اس میں اتنی زیادہ تاخیر نہیں کرنی چاہیے کہ آفتاب زرد ہو جائے (اس لئے کہ جب آفتاب زرد ہو جائے تو پھر عصر کا مکروہ وقت شروع ہو جاتا ہے) جیسا کہ حدیث میں ہے۔

حضرت علی بن شیبان ﷺ فرماتے ہیں: قَدِمْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ فَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَصْرَ مَادَامَتِ الشَّمْسُ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً.[۱]

ترجمہ:۔ ہم رسول خدا ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ عصر کی نماز تاخیر سے پڑھتے جب تک کہ سورج سفید اور شفاف رہتا۔

اس حدیث کو امام ابوداود سجستانیؒ (م۲۷۵ھ) نے اپنی سنن میں روایت کر کے اس پر سکوت کیا ہے اور راس پر کسی قسم کی جرح نہیں کی اور خود امام موصوف فرماتے ہیں: وَمَاسَكَتُّ عنه فهو حسن.[۲]

(جس حدیث پر میں سکوت کروں، وہ حدیث حسن ہوتی ہے)

۱۔ سنن ابی داود، باب وقت العصر، رقم الحدیث (۴۰۸)

۲۔ اختصار علوم الحدیث للحافظ ابن کثیر (ص ۵۰) مع شرحہ الباعث الحثیث

اس اصول کو علامہ احمد شاکرؒ (غیر مقلد) اور مولانا بدیع الدین راشدی غیر مقلد نے بھی تسلیم کیا ہے۔[۱]

علامہ شوکانی غیر مقلد (م۱۲۵۵ھ) لکھتے ہیں:

ان جماعة من ائمة الحديث صرحوا بصلاحية ما سكت عنه ابو داؤد للاحتجاج.[۲]

ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ: جس حدیث پر امام ابوداؤدؒ سکوت کرتے ہیں وہ حجت پکڑنے کے قابل ہوتی ہے۔

لھذا یہ حدیث حسن اور قابل حجت ہے۔ اور اس کے راویوں پر اعتراض خود علمائے غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں بھی باطل ہے۔

نیز اس حدیث کی تائید دیگر کئی احادیث سے ہوتی ہے۔ مثلاً ام المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشَدَّ تَعْجِيْلاً لِلظُّهْرِ مِنْكُمْ وَ اَنْتُمْ اَشَدُّ تَعْجِيْلاً لِلْعَصْرِ مِنْهُ.[۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز تم سے جلدی پڑھتے تھے جبکہ تم عصر کی نماز آپ سے جلدی پڑھتے ہو۔

۱۔ الباعث الحثیث (ص ۵۱)، مقالات راشدیہ (۳/ ۴۹۲)

۲۔ نیل الاوطار (۱/ ۳۹۱)

۳۔ جامع الترمذی، رقم الحدیث (۱۶۱)

شیخ البانی غیر مقلد نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ عصر کی نماز اول وقت کے بجائے تاخیر سے پڑھتے تھے۔ نیز اس کی تائید اجماع امت سے بھی ہوتی ہے، اس لیے کہ تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ نمازِ عصر کو تاخیر سے یعنی مثل ثانی کے بعد پڑھا جائے جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن عبدالبر مالکیؒ (م ۴۶۳ھ) نے تصریح کی ہے کہ:

وقد اجمع العلماء علىٰ ان من صلى العصر والشمس بيضاء نقية لم تدخلها صفرة فقد صلّاها فى وقتها المختار، وفى ذلك دليل علىٰ ان مراعاة المثلين عندهم استحباب.[2]

تمام علماء کا اِس پر اجماع ہے کہ جس شخص نے عصر کی نماز اُس وقت پڑھی جس وقت سورج سفید و شفاف تھا، اور اس میں زردی نہیں آئی تھی، تو اُس شخص نے عصر کی نماز کو اُس کے مختار (پسندیدہ) وقت میں پڑھا۔ اور اس میں دلیل ہے کہ تمام علماء کے نزدیک (عصر کی نماز پڑھتے وقت) مثلین (کہ آدمی کا سایہ علاوہ سایہ اصلی کے اس کے دوگنا ہوجائے) کی رعایت رکھنا مستحب ہے۔

۱۔ تحقیق الترمذی (ص ۵۰)

۲۔ التمهيد شرح المؤطا (۳/ ۳۸۳)

حدیث نمبر ۵

مغرب کا انتہائی اور عشاء کا ابتدائی وقت

حدیث نمبر ۱ میں گزر چکا کہ جب شفق غائب ہوجائے تو مغرب کا وقت ختم ہو کر عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک شفق سے مراد وہ سفیدی ہے جو افق پر سرخی ختم ہونے کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ امام صاحبؒ کی دلیل حضرت جابر بن عبداللہ ﷛ کی طویل حدیث ہے، جس میں انہوں نے نبی کریم ﷺ کے اوقاتِ نماز بیان کرتے ہوئے عشاء کی نماز کا وقت یوں بیان کیا:۔ ثُمَّ اَذَّنَ لِلْعِشَآءِ حِيْنَ ذَهَبَ بَيَاضُ النَّهَارِ وَهُوَ الشَّفَقُ، ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الصَّلاَةَ فَصَلّٰى.[1]

ترجمہ:۔ پھر حضرت بلال ﷛ نے عشاء کی اذان اس وقت کہی جب دن کی سفیدی چلی گئی اور وہی شفق ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو اقامت کہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے اقامت کہی اور آپ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھائی۔

امام ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) نے اس حدیث کی سند کو حسن کہا ہے۔[2]

نیز اس حدیث کی تائید دیگر کئی صحیح احادیث سے بھی ہوتی ہے۔[3]

۱۔ المعجم الاوسط للطبرانیؒ (۵/ ۱۲۲، رقم الحديث: ٤٧٨٦)

۲۔ مجمع الزوائد (۱/ ۳۰۴)

۳۔ مثلاً دیکھئے مسند احمد، رقم الحدیث (۶۹۹۳)، جامع الترمذی، رقم الحدیث (۱۵۱)

حدیث نمبر ۶

نماز مغرب کا مسنون وقت

جب سورج غروب ہو جائے تو اس کے فوراً بعد مغرب کی نماز پڑھ لینا مسنون ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ سورج غروب ہوتے ہی نماز مغرب پڑھ لیتے تھے۔ چنانچہ حضرت سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:۔

كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْمَغْرِبَ إِذَا تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ۔[1]

ترجمہ:۔ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز جب سورج غروب ہو جاتا تو (فوراً) پڑھ لیتے تھے۔

[1] صحیح البخاری، باب وقت المغرب، رقم الحدیث (۵۶۱)، (۷۹/۱)

حدیث نمبر ۷

نماز عشاء کا مسنون وقت

عشاء کی نماز (ایک تہائی یا آدھی رات سے پہلے) جتنی تاخیر سے پڑھی جائے بہتر ہے کیونکہ نبی ﷺ کو یہ نماز تاخیر سے پڑھنا پسندیدہ تھا۔ چنانچہ حضرت ابو برزہ اسلمی ؓ فرماتے ہیں:۔

وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ الْعِشَاءَ، الَّتِي تَدْعُونَهَا الْعَتَمَةَ، وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا۔[1]

ترجمہ:۔ نبی کریم ﷺ عشاء کی نماز کو جسے تم عتمہ کہتے ہو، تاخیر سے پڑھنا پسند فرماتے تھے۔ اور نماز عشاء سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد (دنیاوی) باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔

[1] صحیح البخاری، باب وقت العصر، رقم الحدیث (۵۴۷)، (۷۸/۱)

حدیث نمبر ۸

نمازِ فجر کا مسنون وقت

نمازِ فجر کا مسنون وقت یہ ہے کہ جب اندھیرا ختم ہو جائے اور خوب روشنی پھیل جائے تو اسے پڑھا جائے، کیونکہ اس نماز کو اندھیرے میں پڑھنے کی بجائے روشنی میں پڑھنا زیادہ ثواب ہے جیسا کہ حدیث ذیل میں ہے۔

عَنْ رَافِعِ بْنِ خُدَیْجٍ ﷺ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ نَوِّرُوْا بِصَلَاۃِ الْفَجْرِ، فَاِنَّہٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ۔[1]

حضرت رافع بن خدیج ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نمازِ فجر کو خوب روشن کر کے پڑھو کیونکہ روشنی میں نماز پڑھنے میں بہت زیادہ ثواب ہے۔

امام ترمذی رَحِمَہُ اللّٰہ (م ۲۷۹ھ) اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

حدیث رافع بن خدیج ﷺ حدیث حسن صحیح

حضرت رافع بن خدیج کی حدیث حسن اور صحیح ہے۔

۱۔ سنن الدرامی، باب الاسفار بالفجر، رقم الحدیث (۱۲۱۸) واللفظ له، جامع الترمذی، باب ماجاء فی الا سفار بالفجر، رقم الحدیث (۱۵۴)، سنن ابی داؤد: باب فی وقت الصبح، رقم الحدیث (۴۲۴)، سنن النسائی، باب الاسفار، رقم الحدیث (۵۵۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں: صَحَّحَہٗ غیر واحد.[1] اس حدیث کو کئی ائمہ حدیث نے صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث کی بعض روایات میں "اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ" کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ فجر کی نماز روشنی میں پڑھو۔ بہر حال اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فجر کو ایسے وقت میں پڑھنا کہ جب روشنی پھیل جائے، اَولیٰ اور اجر و ثواب کا باعث ہے۔ قاضی شوکانی غیر مقلد (م ۱۲۵۵ھ) نے بھی اندھیرے میں فجر پڑھنے والی حدیث کے مقابلے میں اس حدیث پر عمل کرنا امت کے لیے بہتر قرار دیا ہے، کیونکہ یہ صیغۂ امر سے مروی ہے۔[2]

البتہ رمضان المبارک میں فجر جلدی پڑھنا بہتر ہے کیونکہ اس ماہ مبارک میں آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ آپ فجر کی نماز اختتام سحری کے بعد جلدی پڑھ لیتے تھے۔ چنانچہ حضرت انس ﷺ، حضرت زید بن ثابت ﷺ، سے نقل کرتے ہیں کہ صحابہ ﷺ نبی ﷺ کے ساتھ سحری کھاتے اور پھر نماز فجر پڑھ لیتے تھے، راوی نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ سحری اور نماز کے درمیان کتنا وقت ہوتا تھا؟ انہوں نے فرمایا: قدر خمسین او ستین آیۃ.[3] یعنی جتنی دیر میں پچاس یا ساٹھ آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔

۱۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری (۲۹/۲)

۲۔ نیل الاوطار (۴۲۸/۱)

۳۔ صحیح البخاری، باب وقت الفجر، رقم الحدیث (۵۷۵)، (۸۱/۱)

حدیث نمبر ۹

نماز کے مکروہ اوقات

تین اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ نمبر۱:۔ فجر کی نماز کے بعد سے سورج پوری طرح بلند ہوجانے تک۔ البتہ نماز فجر کے بعد سورج نکلنے سے پہلے نمازِ مُعیّن کی قضاء پڑھنا جائز ہے۔ نمبر۲:۔ زوال یعنی جب سورج ڈھل رہا ہوسے نمازِ ظہر کا وقت ہونے تک، نمبر۳:۔ عصر کی نماز کے بعد سے سورج غروب ہونے تک، البتہ سورج غروب ہونے سے پہلے مُعیّن نماز کی قضا جائز ہے لیکن جب سورج غروب ہونا شروع ہوجائے تو پھر اس دن کی نمازِ عصر کے علاوہ کوئی نماز جائز نہیں ہے۔ ان تین اوقاتِ مکروہہ کی ممانعت درج ذیل حدیث میں ہے:۔

عَنْ عَمْرِوبْنِ عَبَسَةَ السُّلَمِيِّ قَالَ قُلْتُ يَانَبِيَّ اللّٰهِ اَخْبِرْنِىْ عَمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ وَاَجْهَلُهٗ اَخْبِرْنِىْ عَنِ الصَّلاةِ؟ قَالَ: صَلِّ صَلاةَ الصُّبْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلاةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَتّٰى تَرْتَفِعَ فَاِنَّهَاتَطْلُعُ حِيْنَ تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَىْ شَيْطٰنٍ وَحِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ، ثُمَّ صَلِّ فَاِنَّ الصَّلاةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰى يَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمْحِ، ثُمَّ اَقْصِرْعَنِ الصَّلاةِفَاِنَّ حِيْنَئِذٍ تُسْجَرُجَهَنَّمُ فَاِذَااَقْبَلَ

الْفَيْءُ فَصَلِّ فَاِنَّ الصَّلاةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ الْعَصْرَ، ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلاةِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَاِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَىْ شَيْطٰنٍ و حِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ۔[1]

ترجمہ:۔ حضرت عمرو بن عبسہ سلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:۔ اے اللہ کے نبی ﷺ مجھے وہ چیز بتلایئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلائی ہے اور وہ مجھے معلوم نہیں ہے، مجھے نماز کے اوقات بتادیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: صبح کی نماز پڑھو اور پھر نماز سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج طلوع ہوکر بلند ہوجائے، اس لئے کہ جب سورج طلوع ہورہا ہوتا ہے تو شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ظاہر ہوتا ہے۔ اس وقت (سورج پرست) کفار اس کو سجدہ کرتے ہیں، پھر نماز (اشراق) پڑھو کیونکہ یہ وقت (فرشتوں کی) شہادت دینے اور حاضری دینے کا ہے۔ (یعنی فرشتے اس وقت اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر نماز کی گواہی دیتے ہیں) یہاں تک کہ سایہ نیزہ کے برابر ہوجائے (یعنی جب زوال کا وقت آجائے) تو اس وقت نماز سے رک جاؤ کیونکہ اس وقت جہنم دہکائی جاتی ہے۔ پھر جب سایہ بڑھنا

[1] صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب اسلام عمروبن عنبسہ ﷺ، رقم الحدیث (۱۸۸۲)

شروع ہوجائے تو ظہر کی نماز پڑھو کیونکہ یہ وقت شہادت اور حاضری دینے کا ہے یہاں تک کہ تم عصر کی نماز پڑھ لو، پھر نماز سے رک جاؤ تا آنکہ سورج غروب ہوجائے، کیونکہ سورج شیطان کے دوسینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے۔اس وقت (سورج پرست) کفار اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

﴿ف﴾ حدیث مذکورہ کے الفاظ کہ سورج شیطان کے دوسینگوں کے درمیان سے طلوع اور غروب ہوتا ہے، کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ: جب سورج طلوع یا غروب ہوتا ہے تو اس وقت شیطان سورج کے سامنے کھڑا ہوجاتا ہے تاکہ سورج اس کے سر کے دوجانبوں کے درمیان سے طلوع اور غروب ہوتا نظر آئے۔اس لئے کہ اس وقت سورج پرست سورج کو سجدہ کررہے ہوتے ہیں تو شیطان اپنے ماتحت شیاطین کو یہ تاثر دیتا ہے کہ یہ لوگ مجھے سجدہ کررہے ہیں۔ اس لئے اس حدیث میں اس وقت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا جب سورج طلوع یا غروب ہورہا ہو، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَتِہٖ.

بہرحال اس حدیث اور اس قسم کی دیگر احادیث سے ان مذکورہ اوقات ثلاثہ میں نماز (خواہ فرض ہو یا نفل) پڑھنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔حتیٰ کہ ان اوقات میں تحیۃ المسجد کے نوافل بھی پڑھنا منع ہیں۔چنانچہ علامہ امیر صنعانیؒ غیر مقلد (م۱۱۸۲ھ) لکھتے ہیں:

انه لا يصليهما من دخل المسجد في اوقات

الكراهة.[1]

جو شخص مسجد میں داخل ہو اس کو مکروہ اوقات میں تحیۃ المسجد کے نوافل نہیں پڑھنے چاہیے۔

مولانا عبداللہ روپڑیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں:

پوہ پھٹنے (طلوع فجر) کے بعد تحیۃ المسجد درست نہیں جیسے طلوع و غروب آفتاب کے وقت نماز درست نہیں۔[2]

نیز جو لوگ بعض روایات سے استدلال کرتے ہوئے جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں، مولانا شرف الدین دہلویؒ غیر مقلد (م۱۹۶۱ء) نے ان کے ان دلائل کو ضعیف قرار دینے کے بعد لکھا ہے:

پس ثابت ہوا کہ زوال کے وقت نماز (خواہ فرض ہو یا نفل) پڑھنی منع ہے، خواہ یوم جمعہ ہو یا کوئی اور یوم۔اس لیے کہ منع کی حدیثیں صحیح ہیں اور جواز کی صحیح نہیں۔صحیح کے مقابل غیر صحیح پر عمل باطل ہے۔[3]

۱۔ سبل السلام (۱/۱۶۶)

۲۔ فتاوی اهل حدیث (۱/۳۱۷)

۳۔ فتاوی ثنائیه (۱/ ۵۴۳)؛ فتاوی علمائے حدیث (۴/ ۱۶۴)

حدیث نمبر ۱۰

اذان اور اقامت کے مسنون کلمات

سنت یہ ہے کہ اذان اور اقامت کے کلمات جفت ہوں۔ یعنی ہر کلمہ کو دو مرتبہ کہا جائے، سوائے آخری کلمہ "لَاۤاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کے، کہ اس کو صرف ایک مرتبہ کہنا مسنون ہے۔ اذان کے جفت کلمات یہ ہیں۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ — اللہ بہت بڑا ہے۔ اللہ بہت بڑا ہے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ — اللہ بہت بڑا ہے۔ اللہ بہت بڑا ہے۔

اَشْھَدُاَنْ لَّاۤاِلٰہَ اِلَّا للّٰہ — میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اَشْھَدُاَنْ لَّاۤاِلٰہَ اِلَّا للّٰہ — میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اَشْھَدُاَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہْ — میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

اَشْھَدُاَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہْ — میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃْ — آؤ نماز کی طرف،

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃْ — آؤ نماز کی طرف،

حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ — آؤ نجات پانے کیلئے،

حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ — آؤ نجات پانے کیلئے،

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ — اللہ بہت بڑا ہے۔ اللہ بہت بڑا ہے۔

لَاۤاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ — اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔[1]

اقامت کے بھی یہی جفت کلمات ہیں، البتہ اس میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ کے بعد دو مرتبہ قَدْقَامَتِ الصَّلٰوۃ (تحقیق نماز کھڑی ہوگئی) کا اضافہ کیا جائے، اسی طرح فجر کی اذان میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ کے بعد کلمہ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌمِّنَ النَّوْمْ (نماز نیند سے بہتر ہے) دو مرتبہ زائد کہا جائے۔ اذان اور اقامت کے کلمات کا جفت ہونا متعدد احادیث سے ثابت ہے جن میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں آپ ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو خواب میں جو اذان اور اقامت سکھائی گئی تھی اور پھر آپ ﷺ نے ان کی اذان و اقامت کی تصدیق کرتے ہوئے وہی اذان و اقامت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کہنے کا حکم فرمایا وہ اذان و اقامت دونوں جفت کلمات پر مشتمل تھیں۔ چنانچہ تابعی کبیر عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں:۔

حَدَّثَنَا اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ: اَنَّ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ زَیْدِنِ الْاَنْصَارِیَّ رضی اللہ عنہ جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ

ا۔ ماخوذ از صلوۃ الرسول (ص ۱۵۳،۱۵۴) مئولفہ: مولانا محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد، نیز دیکھئے المطالب العالیۃ (۱/ ۳۶۵) لابن حجرؒ، اتحاف الخیرۃ المھرۃ (۲/ ۲۱) للبوصیریؒ، المسند المستخرج علی صحیح مسلم (۲/ ۴) لابی نعیمؒ

رَئَیْتُ فِی الْمَنَامِ کَاَنَّ رَجُلاًقَامَ وَعَلَیْهِ بُرْدَانِ اَخْضَرَانِ عَلٰی جَذْمَةِ حَائِطٍ فَاَذَّنَ مَثْنٰی وَاَقَامَ مَثْنٰی وَفِیْ رِوَایَةٍ ثُمَّ قَالَ فِیْ آخِرِ اَذَانِهٖ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ اَمْهَلَ شَیْئًا ثُمَّ قَامَ فَقَالَ مِثْلَ الَّذِیْ قَالَ غَیْرَ اَنَّهٗ زَادَ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ۔[1]

ترجمہ:۔ہم سے حضرت محمد ﷺ کے صحابہ ؓ نے بیان کیا کہ: حضرت عبداللہ بن زید انصاری ؓ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک شخص ہے جو سبز رنگ کی دو چادریں اوڑھے ہوئے ہے۔ وہ دیوار پر کھڑا ہوگیا اور اس نے اذان واقامت کہی جن میں اس نے جفت کلمات کہے۔ایک روایت میں ہے کہ اس نے اپنی اذان کے آخر میں اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا۔ پھر وہ تھوڑی دیر کے لئے رکا اور پھر اس نے اقامت کہی جس طرح اس نے اذان کہی تھی۔ البتہ اس نے اقامت کہتے ہوئے یہ دو کلمات قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ زائد کہے۔

۱۔ مصنف ابن ابی شیبة،باب ماجاء فی الاذان و الاقامة کیف هو، (۱/۳۳۱)، السنن الکبریٰ للبیهقی(باب ماروی فی تثنیة الاذان والاقامة (۱/۴۲۰)،المحلی شرح المجلی(۳/۹۷).

اس حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید ؓ نے جب یہ خواب نبی ﷺ کو سنایا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ یہ کلمات بلال ؓ کو سکھا دو۔ چنانچہ حضرت بلال ؓ کھڑے ہوئے اور اذان واقامت کہی جن میں انہوں نے جفت کلمات کہے۔

امام ابن دقیق العیدؒ (م ۷۰۳ھ) اور امام ابن رجبؒ (م ۷۸۵ھ) اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: هذا رجال الصحیحین ومتصل علی مذهب الجماعة فی عدالة الصحابة،وان جهالة اسماء هم لاتضر.[1]

اس حدیث کے تمام راوی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے روای ہیں اور اس کی سند محدثین کی جماعت کے نزدیک متصل ہے۔کیونکہ تمام صحابہ ؓ عادل ہیں اور ان کا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں۔

علامہ ابن حزم ظاہریؒ (م ۴۵٦ھ) اور شیخ ناصر الدین البانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) نے تصریح کی ہے کہ: اس حدیث کی سند انتہائی درجہ کی صحیح ہے۔[2]

اس حدیث کے ایک راوی اعمشؒ پر تدلیس کا الزام لگایا جاتا ہے، لیکن مولانا عبدالرحمان مبارکپوریؒ غیر مقلد نے بحوالہ امام حلبیؒ تصریح کی ہے کہ ان کی تدلیس مضر نہیں ہے۔[3] بالخصوص جب کہ اس روایت میں امام شعبہؒ وغیرہ

۱۔ نصب الرایة لاحادیث الهدایة (۱/۲٦۷)، فتح الباری (۳/۴۰۷) لابن رجبؒ

۲۔ المُحلّٰی (۳/۹۸)، احکام الاذان والاقامة (ص ۸۵)

۳۔ مقالاتِ مبارکپوری (ص ۳٦۸)

نے ان کی متابعت کی ہے۔[۱]

اور پھر اس حدیث کی تائید دیگر متعدد صحیح احادیث سے بھی ہوتی ہے۔[۲]

مولانا صدیق حسن خانؒ غیر مقلد (م ۱۳۰۷ھ) نے بھی تسلیم کیا ہے کہ جفت اقامت والی احادیث صحیح ہیں۔[۳]

بعض احادیث میں اقامت کے طاق کلمات منقول ہیں لیکن جفت کلمات والی احادیث ان پر راجح ہیں۔ چنانچہ علامہ شوکانیؒ غیر مقلد (م ۱۲۵۵ھ) جفت کلمات والی احادیث کو طاق کلمات والی احادیث پر ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اذا عرفت هذاتبين لک ان احاديث تثنية الاقامة صالحة للاحتجاج بهالماسلفناه، واحاديث افراد الاقامة وان كانت اصح منهالكثرة طرقهافى الصحيحين لكن احاديث التثنية مشتملة على الزيادة، فالمصير اليها لازم لاسيما مع تأخربعضها كما عرفناک.[۴]

ترجمہ:۔ جب تم نے یہ تفصیل جان لی تو تم پر واضح ہو گیا کہ جن

۱۔ صحیح ابن خزیمۃ (۱/ ۱۷۰)، شرح معانی الآثار (۱/ ۹۳)، احکام الاذان والاقامۃ (۵۱) للالبانیؒ

۲۔ مثلاً دیکھئے شرح معانی الآثار (۱/۹۴)، صحیح ابی عوانۃ (۲/۲۲۳)، مجمع الزوائد (۱/۲۳۰، ۲۳۱)، الدرایۃ (۱/۱۱۵)، معرفۃ الصحابۃ (۳/۱۴۹)

۳۔ الروضة الندية (۱/ ۷۹)

۴۔ نیل الاوطار (۱/ ۳۶۲)

احادیث میں جفت اقامت کا ذکر ہے وہ دلیل بننے کے قابل ہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور جن احادیث میں طاق اقامت کا ذکر ہے گو وہ کثرت طرق اور صحیحین میں ہونے کی وجہ سے جفت اقامت والی احادیث سے زیادہ صحیح ہیں لیکن جفت اقامت والی احادیث زیادت پر مشتمل ہیں (کہ ان میں طاق اقامت والی احادیث کی نسبت زیادہ کلمات ہیں) لہٰذا ان کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، بالخصوص اس لئے بھی کہ ان میں سے بعض احادیث میں (نبی ﷺ کے) آخری زمانہ کا ذکر ہے جیسا کہ ہم آپ کو پہلے بتا چکے ہیں۔

نواب صدیق حسنؒ غیر مقلد اور ان کے صاحبزادے مولانا نور الحسنؒ غیر مقلد نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اصولی طور پر جفت اقامت کہنا راجح ہے۔[۱]

واضح رہے کہ مذکورہ بالا حدیث اور اس طرح کی دیگر کئی احادیث میں جفت اذان اور جفت اقامت کا ذکر ہے، لیکن ان احادیث میں یہ مذکور نہیں کہ اذان میں ترجیع (شہادت کے کلمات کو پہلے دو مرتبہ آہستہ آواز سے کہنا اور پھر ان کو دو مرتبہ بلند آواز سے کہنا) بھی ہے۔ بالخصوص جب کہ حضرت ابو محذورہؓ (جو ترجیع والی اذان کے راوی ہیں) سے بھی ایک حدیث میں بغیر ترجیع جفت اذان اور جفت اقامت مروی ہے[۲] اور یہ حدیث غیر مقلدین کے مسلمات کی

۱۔ الروضۃ الندیۃ (۱/۷۹)، عرف الجادی (ص ۲۵)

۲۔ المسند المستخرج علی صحیح مسلم (رقم الحدیث: ۸۳۵)

روشنی میں بالکل صحیح ہے۔[1]

اس سے بعض غیر مقلدین کا یہ نظریہ باطل ہو جاتا ہے کہ جفت اقامت تب ہی مسنون ہے جب اذان میں ترجیع بھی ہو۔ شیخ البانیؒ غیر مقلد نے بھی بڑی سختی سے اس نظریہ کا رَدّ کیا ہے، اور یہ تصریح کی ہے کہ حدیث کی رُو سے بغیر ترجیع اذان اور جفت اقامت بھی ثابت ہے۔[2]

نیز البانیؒ نے ابن حزمؒ کے اس نظریہ کا بھی سختی سے رَدّ کیا ہے کہ جفت اقامت منسوخ ہے۔[3]

اسی طرح بعض متشدد غیر مقلدین جفت کلمات والی اقامت کو غیر مسنون اور ناجائز تک کہہ دیتے ہیں حالانکہ ان کے عظیم محقق مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ (م ۱۳۵۲ھ) نے تصریح کی ہے کہ دونوں طریقوں کے مطابق اقامت کہنا جائز ہے اور آدمی کو اختیار ہے کہ ان دونوں میں سے جس طریقہ کے مطابق اقامت کہہ لے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

حمل بعضهم على الاباحة والتخيير فهو الحق.[4]

بعض علماء نے ان دونوں قسم کی احادیث کو اباحت اور تخییر (آدمی کے اپنے اختیار) پر محمول کیا ہے اور یہی بات حق ہے۔

۱۔ ماہنامہ الحدیث (ش ۱۷، ص ۸)

۲۔ احکام الاذان والاقامة (ص ۸۷، ۸۸)

۳۔ ایضاً

۴۔ ابکار المنن (ص ۸۹)

حدیث نمبر ۱۱

مردوں کے لئے تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت ہاتھوں کو اُٹھانے کا مسنون طریقہ اور نمازی کے لئے ثناء کے مسنون کلمات

جب آدمی نماز کی نیت کر لے اور اس کا رخ بھی قبلہ کی طرف ہو تو اب نماز اس طرح شروع کرے کہ تکبیرِ تحریمہ کہتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک لے جائے اور پھر ثناء پڑھے جیسا کہ حدیث ذیل میں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے خصوصی خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ **كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَاافْتَتَحَ الصَّلَاةَ كَبَّرَ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ اِبْهَامَيْهِ اُذُنَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآاِلٰهَ غَيْرُكَ**[1]

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو (سب سے پہلے) تکبیر تحریمہ کہتے، پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ ان کے انگوٹھوں کو کانوں کے برابر لے جاتے اور پھر یہ پڑھتے:۔ **سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآاِلٰهَ غَيْرُكَ**

۱۔ سنن الدارقطنی، باب دعاء الاستفتاح بعدالتکبیر رقم الحدیث (۱۱۳۵)، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۰۳۹)، کتاب الدعاء (رقم الحدیث: ۵۰۵، ۵۰۶) للطبرانی

(اے اللہ تو پاک ہے اور ہم تیری تعریف کرتے ہیں، تیرا نام بابرکت ہے، تیری شان بلند و بالا ہے اور تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔)

امام دار قطنیؒ اور امام ہیثمیؒ نے اس حدیث کے سب راویوں کو ثقہ کہا ہے۔[1] اس حدیث کے راوی ابو خالد الاحمرؒ کا مدلس ہونا امام احمدؒ سے ثابت نہیں ہے، جب کہ ان کے استاذ حمید الطویل کی تدلیس بتصریح مولانا مبارکپوری مضر نہیں ہے۔[2] اسی طرح حسین العجلیؒ کے مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے اس کی روایت باقرار غیر مقلدین حسن ہے۔[3] نیز امام ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے کہ اس حدیث کے دو اور طرق بھی ہیں جو اس کے لیے متابعت جیدہ ہیں۔[4]

شیخ البانیؒ غیر مقلد نے بھی مذکورہ حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے، اور اس پر (ابو حاتم وغیرہ کے) اعتراضات کو کالعدم قرار دیا ہے۔[5]

مولانا عبدالرؤف سندھو غیر مقلد لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔[6]

مولانا عبدالرؤف نے یہ بھی تفصیل سے بیان کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء پڑھنا حضرت انسؓ کے علاوہ حضرت عائشہ، حضرت جابر، حضرت

۱۔ نصب الرایۃ (۱/۳۲۰)، الدرایۃ (۱/ ۱۲۹)، مجمع الزوائد (۲/۱۰۷)

۲۔ مقالات مبارکپوری (ص ۳۶۸)

۳۔ خیر الکلام (ص ۲۳۸) ۴۔ الدرایۃ (۱/۱۲۹)

۵۔ ارواء الغلیل (۲/۵۰-۵۲)، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۲۹۹۶)

۶۔ القول المقبول (ص ۳۴۷)

ابو سعید، حضرت ابن مسعود، حضرت حکیم بن عمیر، اور حضرت واثلہ رضی اللہ عنہم نے بھی رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے۔[1]

(ف) تکبیر تحریمہ کے بعد نبی ﷺ سے متعدد کلمات ہیں لیکن ان سب میں سے مذکورہ ثنا پڑھنا افضل ہے کیونکہ آپ ﷺ تکبیر تحریمہ کے بعد اکثر یہی ثناء پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (م ۶۵۲ھ) فرماتے ہیں:

انه الافضل، وانه النبی ﷺ یداوم علیه غالباً[2] کہ یہی ثناء پڑھنا افضل ہے اور یہی وہ ثناء ہے جس کو نبی ﷺ اکثر پڑھا کرتے تھے۔

نیز حضرت عمرؓ اور دیگر خلفائے راشدین بھی بڑے اہتمام کے ساتھ نماز میں اس ثناء کو پڑھا کرتے تھے، اور تمام صحابہؓ کی ان کو موافقت حاصل تھی۔[3]

باقی رہا تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے کانوں تک ہاتھ اٹھانا تو اسکا ثبوت مذکورہ حدیث کے علاوہ دیگر کئی صحیح احادیث سے ہوتا ہے۔[4]

مولانا محمد گوندلوی صاحبؒ غیر مقلد لکھتے ہیں: رفع یدین کانوں تک بھی ثابت ہوتا ہے جیسے احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے۔[5]

۱۔ ایضاً (ص ۳۴۶-۳۴۸) ۲۔ نیل الاوطار (۱/۳۶۹)

۳۔ المحلی (۴/۹۴)، عون المعبود شرح سنن ابی داود (۲/۱۵۳)

۴۔ مثلاً دیکھئے المعجم الکبیر (۱۱/۳۶۳۸، ۱۲/۴۹۸۲، ۴۹۸۳، ۴۹۸۶، ۴۹۸۸، ۴۹۸۹، ۴۹۹۴) للطبرانیؒ، مسند احمد، رقم الحدیث (۱۶۱۹۷، ۱۸۹۰۶)، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث (۷۲۸)، سنن النسائی، رقم الحدیث (۸۸۴)، المستدرک، رقم الحدیث (۸۲۲)

۵۔ التحقیق الراسخ (ص ۴۷)

حدیث نمبر ۱۲

عورتوں کا تکبیرِ تحریمہ کے وقت سینے تک ہاتھ اٹھانا مسنون ہے

عورتوں کے لئے سنت یہ ہے کہ وہ بوقت تکبیر تحریمہ اپنے ہاتھ سینے تک اٹھائیں۔ چنانچہ حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں:

قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: یَاوَائِلَ بْنَ حُجْرٍ اِذَاصَلَّیْتَ فَاجْعَلْ یَدَیْکَ حِذَاءَ اُذُنَیْکَ وَالْمَرْاَۃُ تَجْعَلُ یَدَیْھَا حِذَاءَ ثَدْیَیْھَا۔[1]

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔ اے وائل بن حجر! جب تو نماز پڑھے تو (تکبیر تحریمہ کہتے وقت) اپنے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا اور عورت اپنے ہاتھ سینے (کاندھے کے قریب) تک اٹھائے۔

امام نورالدین ہیثمی رَحِمَہُ اللّٰہ (م ۸۰۷ھ) اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔ وفیہ ام یحیی بنت عبدالجبار ولم اعرفھا وبقیۃ رجالہ ثقات[2] اس کی سند میں ام یحیٰ بنت عبدالجبار ہے جس کو میں نہیں پہچانتا۔ اس روایت کے باقی سارے راوی ثقہ ہیں۔

مشہور غیر مقلد محدث مولانا عبداللہ روپڑیؒ اسی ام یحیٰ بنت عبدالجبارؒ

۱۔ المعجم الکبیر (۲۲/ ۲۸۰،۹ رقم الحدیث ۲۸)

۲۔ مجمع الزوائد (۱۰۳/۲)

(جس کا نام غُشْبَۃُ ہے[1]) کے متعلق لکھتے ہیں: ام یحیٰ انسؓ سے روایت کرتی ہیں اور عبداللہ بن عمر عمری ام یحیٰ سے روایت کرتا ہے۔ اس کے حق میں حافظ ابن حجر نے لاتعرف نہیں کہا یعنی غیر معروف شمار نہیں کیا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں معمولی کلام ہے جو معمولی تائید سے رفع ہو سکتا ہے۔[2]

مولانا روپڑی کے اس اقتباس سے دو باتیں معلوم ہوئیں: نمبر ۱: ام یحیٰ مجہولہ نہیں ہیں بلکہ معروفہ ہیں۔ نمبر ۲: ان کی حدیث معمولی تائید سے قابل احتجاج ہے۔ بنابریں مذکورہ حدیث بھی قابل حجت ہے کیونکہ اس کی تائید متعدد آثار سے ہوتی ہے۔ مثلاً فقہاء تابعین میں سے امام عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللّٰہ (م ۱۱۴ھ)، امام حماد بن ابی سلیمان رَحِمَہُ اللّٰہ (م ۱۲۰ھ) اور امام زہری رَحِمَہُ اللّٰہ (م ۱۲۴ھ)، فرماتے ہیں کہ:۔ عورت جب تکبیر تحریمہ کہے تو اپنے ہاتھ سینے تک اٹھائے۔ اور فقیہہ تابعیہ حضرت حفصہ بنت سیرینؒ (م ۱۰۱ھ) کا معمول بھی یہی تھا کہ وہ تکبیر تحریمہ کہتے وقت اپنے ہاتھ سینے تک اٹھاتی تھیں۔[3]

نیز نامور غیر مقلد عالم مولانا وحیدالزمانؒ (م ۱۳۳۸ھ) نے بھی تصریح کی ہے کہ عورتوں کی نماز مردوں سے جن امور میں مختلف ہے ان میں سے ایک عورتوں کا تکبیرِ تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو سینے تک اٹھانا بھی ہے۔[4]

۱۔ تبصیر المنتبہ (۱۱۸۵/۳) لابن حجرؒ

۲۔ فتاوی اہل حدیث (۳۱۴/۱)

۳۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبۃ (۲۷۰/۱)

۴۔ کنزالحقائق (ص ۲۲)

حدیث نمبر ۱۳

حالت قیام میں زیر ناف ہاتھ باندھنا سنت ہے

نماز میں بحالت قیام مردوں کے لئے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر زیر ناف باندھنا مسنون ہے جیسا کہ حدیث ذیل میں ہے۔

حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ:۔ رَأَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَضَعُ یَمِیْنَهٗ عَلٰی شِمَالِهٖ فِی الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔[1]

ترجمہ:۔ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نماز میں (بحالت قیام) اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر زیر ناف باندھتے تھے۔

علامہ قاسم بن قطلوبغا رَحِمَهُ اللّٰه (م ۸۷۹ھ) اور مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری رَحِمَهُ اللّٰه غیر مقلد فرماتے ہیں اسناده جید.[2] کہ اس حدیث کی سند جید ہے۔

شیخ ابوالطیب مدنی رَحِمَهُ اللّٰه اس کی سند کو قوی اور علامہ محمد عابد سندھی رَحِمَهُ اللّٰه اس کے راویوں کو ثقہ کہتے ہیں۔[3]

﴿ف نمبرا﴾: مصنف کے اکثر نسخوں میں یہ حدیث تحت السرة (زیر ناف)

۱۔ مصنف ابی شیبة، باب وضع الیمین علی الشمال. (۱/۴۲۷)

۲۔ تحفة الاحوذی (۱/۲۱۴)

۳۔ خزائن السنن (۲/۸۵).

کے الفاظ سے منقول ہے۔ چنانچہ صرف علامہ محمد ہاشم سندھی رَحِمَهُ اللّٰه (م ۱۱۷۴ھ) نے اپنے رسالہ "ترصیع الدرة" میں تین ایسے قلمی نسخوں کی نشاندہی فرمائی ہے جن میں یہ حدیث "تحت السرة" کے الفاظ کے ساتھ درج ہے۔[1]

اسی طرح مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ (م ۱۳۲۹ھ) غیر مقلد کے ہاتھ سے لکھے گئے قلمی نسخہ میں بھی یہ حدیث ان ہی الفاظ کے ساتھ درج ہے۔[2]

البتہ مصنف کے بعض نسخوں میں تَحْتَ السُّرَّةِ کے الفاظ نہیں ہیں۔ لیکن اس سے اُن صحیح نسخوں کا جن میں تَحْتَ السُّرَّةِ کے الفاظ موجود ہیں، الحاقی یا غیر معتبر ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ مولانا عبدالرحمان مبارک پوریؒ صاحب غیر مقلد (م ۱۳۵۳ھ) نے تصریح کی ہے کہ:

> کتب حدیث میں متعدد روایات ایسی موجود ہیں جو بعض نسخوں میں ہیں اور بعض نسخوں میں نہیں ہیں مگر کوئی بھی ان روایات اور عبارات کو الحاقی وغیر معتبر نہیں بتاتا۔[3]

نیز اس حدیث کی تائید دیگر کئی احادیث سے بھی ہوتی ہے۔[4]

۱۔ ترصیع الدرة مع درهم الصرة (ص ۸۲) طبع مکتبہ امدادیہ۔ ملتان

۲۔ ایضا (ص ۷)

۳۔ تحقیق الکلام (۲/۴۸، ۴۹)

۴۔ مثلاً دیکھئے سنن ابی داؤد، رقم الحدیث (۷۵۶، ۷۵۸)، المحلی (۳/۷۴)، التمهید (۷/۳۴۷)

امام اسحاق بن راھویہؒ (م ۲۳۸ھ) فرماتے ہیں: تحت السرۃ اقوی فی الحدیث و اقرب الی التواضع[1] ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا حدیث کی رو سے انتہائی قوی اور تواضع کے انتہائی قریب ہے۔

نامور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خانؒ (م ۱۳۰۷ھ) اور ان کے صاحبزادے نواب نور الحسنؒ غیر مقلد نے بھی تسلیم کیا ہے کہ: ''تحت السرۃ'' کے الفاظ والی احادیث بلا قدح (بے عیب) اور صحیح ہیں۔[2]

نیز انہوں نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ کئی صحابہؓ سے بھی منقول ہے کہ وہ نماز میں بحالتِ قیام اپنے ہاتھ زیرِ ناف باندھا کرتے تھے۔[3]

﴿ف نمبر۲﴾ کئی احادیث میں عورتوں کی نماز متعدد احوال میں مردوں کی نماز سے مختلف بیان کی گئی ہے۔ان احادیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہاء نے فرمایا ہے کہ عورتیں حالت قیام میں اپنے ہاتھ زیر ناف باندھنے کی بجائے سینے پر باندھیں۔ کیونکہ یہ عورتوں کے حق میں زیادہ پردہ کا باعث ہے۔

۱۔ الاوسط (۳/۱۴۳) لابن منذر بحوالہ حدیث اور اہل حدیث (ص ۲۷۸)

۲۔ الروضۃ الندیۃ (۱/۹۷، ۹۸)، عرف الجادی (ص ۳۵)

۳۔ ایضاً

حدیث نمبر ۱٤

فاتحہ سے پہلے تسمیہ آہستہ پڑھنا مسنون ہے

ثناء کے بعد فاتحہ سے پہلے جیسے تعوذ (اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمْ) آہستہ پڑھا جاتا ہے ایسے ہی تسمیہ (بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمْ) بھی آہستہ پڑھنا مسنون ہے۔چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

صَلَّیْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ ؓ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِنْھُمْ یَجْھَرُ بِبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.[1]

ترجمہ:۔میں نے رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں۔ لیکن میں نے ان میں سے کسی ایک کو بھی بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمْ اونچی آواز سے پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

حافظ زیلعیؒ (م ۷۶۲ھ) فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے سارے راوی ثقہ اور صحیح بخاری کے راوی ہیں۔[2]

نیز اس حدیث کو امام ابن خزیمہؒ (م ۳۱۱ھ) اور امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے بھی اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔[3]

۱۔ سنن النسائی، باب ترک الجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم رقم الحدیث (۹۰۹)

۲۔ (نصب الرایۃ (۱/۳۲۷)

۳۔ صحیح ابن خزیمۃ (۱/ ۲۱۳)، رقم الحدیث ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان (۳/ ۱۱۱)، رقم الحدیث ۱۷۹۵)

مولانا عبدالرؤف غیر مقلد نے تصریح کی ہے کہ:

ابن خزیمہ اور ابن حبان اپنی کتابوں میں وہی احادیث لائے ہیں، جو ان کے نزدیک صحیح تھیں۔[1]

نیز دیگر خلفائے راشدین کی طرح حضرت علیؓ سے بھی ثابت ہے کہ وہ بھی نماز میں تسمیہ آہستہ پڑھا کرتے تھے۔[2]

اس حدیث کے بالمقابل تسمیہ جھراً پڑھنے کی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرؤف (غیر مقلد) لکھتے ہیں: الحاصل بِسْمِ اللّٰهِ جھراً پڑھنے کے متعلق کوئی صحیح صریح حدیث نہیں۔ لھذا بِسْمِ اللّٰهِ آہستہ ہی پڑھنی چاہیے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کی معرفت اور جان پہچان رکھنے والے اس امر پر متفق ہیں کہ بِسْمِ اللّٰهِ جھراً کے بارے میں کوئی صریح روایت نہیں ہے۔ اور نہ ہی مشہور سنن کے مصنفین مثلاً ابوداود، ترمذی، اور نسائی نے اس بارے میں کوئی حدیث روایت کی ہے۔ اس کو جھراً پڑھنے کا ذکر من گھڑت روایات میں ملتا ہے جن کو ثعلبی، ماوردی اور ان جیسے مفسرین نے ذکر کیا ہے یا پھر یہ روایات ان فقہاء کی کتب میں ملتی ہیں جو موضوع اور غیر موضوع روایات میں تمیز نہیں کرتے بلکہ ہر قسم کی حدیث سے حجت لے لیتے ہیں۔[3]

۱۔ القول المقبول (ص ۴۴)
۲۔ الاستذکار شرح الموطا (۱/ ۴۵۸)
۳۔ القول المقبول، (ص ۳۵۵، ۳۵۶)

حدیث نمبر ۱۵

امام اور اکیلے نمازی کیلئے فرض نمازوں میں قراءت کا طریقہ

امام اور اکیلے نمازی کے لیے فرض نمازوں میں قراءت کا طریقہ یہ ہے کہ فجر کی دونوں رکعتوں جبکہ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورت ملانا بھی ضروری ہے۔ لیکن ظہر، عصر اور عشاء کی آخری دو رکعتوں جبکہ مغرب کی تیسری رکعت میں صرف سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ہی کافی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے:۔

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَقْرَأُ فِی الظُّھْرِ الْاُوْلَیَیْنِ بِاُمِّ الْکِتَابِ وَسُوْرَتَیْنِ، وَفِی الرَّکْعَتَیْنِ الْاُخْرَیَیْنِ بِاُمِّ الْکِتَابِ وَیُسْمِعُنَا الْاٰیَةَ وَیُطَوِّلُ فِی الرَّکْعَةِ الْاُوْلٰی مَالَا یُطِیْلُ فِی الرَّکْعَةِ الثَّانِیَةِ، وَھٰکَذَا فِی الْعَصْرِ وَھٰکَذَا فِی الصُّبْحِ.[1]

ترجمہ:۔ نبی ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور ساتھ دو سورتیں (یعنی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور ساتھ ایک دوسری سورت) پڑھتے تھے اور آخری دونوں رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی کبھی ہمیں (بطور تعلیم) کوئی ایک

۱۔ صحیح البخاری، باب یقرأ فی الاخریین بفاتحة الکتاب، رقم الحدیث (۷۷۲)، صحیح مسلم، باب القراءة فی الظھر والعصر، رقم الحدیث (۹۴۴)

آیت سنا بھی دیا کرتے تھے اور پہلی رکعت کو بہ نسبت دوسری رکعت کے زیادہ طویل کرتے تھے۔ اسی طرح عصر اور فجر کی نماز میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔

﴿ف﴾ مذکورہ حدیث میں راوی نے بطور مثال صرف ظہر، عصر، اور فجر کا ذکر کیا ہے، مغرب اور عشاء کا اگرچہ اس میں ذکر نہیں ہے لیکن ان دونوں نمازوں کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کی پہلی دونوں رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورت بھی ملانا چاہیے لیکن مغرب کی تیسری اور عشاء کی آخری دونوں رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھنی چاہیے اور فرض کی آخری دونوں رکعات میں فاتحہ کا پڑھنا بھی صرف مستحب ہے، جیسا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ سے منقول ہے۔[1]

یاد رہے کہ یہ حکم صرف فرض نمازوں کا ہے سنتوں اور نوافل کا نہیں۔ بلکہ سنن اور نوافل کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی دوسری سورت ملانا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ان میں ہر دو رکعتیں بمنزلہ مستقل نماز کے ہیں۔

مولانا محمد یونس دہلوی (م ۱۳۸۸ھ) غیر مقلد نے بھی لکھا ہے کہ:

سنتوں اور نفلوں کی چاروں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ اور کوئی سورت یا آیتیں ملانی ضروری ہیں، اور فرضوں کی دونوں اخیر رکعت میں صرف فاتحہ پر اکتفا کرنا جائز ہے۔[2]

۱۔ مصنف ابن ابی شیبۃ (۱/۳۰۸)، المعجم الکبیر (۳۳۷۶/۷)

۲۔ فتاویٰ علمائے حدیث (۹۶/۳)

حدیث نمبر ۱۶

مقتدی کے لئے قراءت منع ہے

حدیث نمبر ۱۵ میں قراءت کا جو طریقہ بیان ہوا ہے وہ امام یا اکیلے نمازی کے لئے ہے لیکن جو امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہو اس کے لئے امام کی قرآت کے وقت (خواہ امام جہر سے قراءت کر رہا ہے یا آہستہ قراءت کر رہا ہے) سورۃ فاتحہ یا کسی اور سورۃ کی قراءت جائز نہیں بلکہ اس کے لئے خاموش رہنا ضروری ہے جیسا کہ حدیث ذیل میں ہے: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَطَبَنَا فَبَيَّنَ لَنَا سُنَّتَنَا وَعَلَّمَنَا صَلَاتَنَا فَقَالَ: إِذَا صَلَّيْتُمْ فَأَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَحَدُكُمْ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا، وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا، وَإِذَا قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ. فَقُوْلُوْا آمِيْنَ.[1]

ترجمہ:۔ رسول اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور ہمیں سنت سکھائی اور نماز کا طریقہ بتلاتے ہوئے ہمیں ارشاد فرمایا:۔ جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفوں کو درست کر لو، پھر تم میں سے ایک تمہارا امام بنے، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرآن پڑھے

۱۔ صحیح مسلم، باب التشھد فی الصلاۃ، رقم الحدیث (۸۳۵)

توتم خاموش ہوجاؤاور جب وہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْن کہے توتم آمین کہو۔

امام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں کہ اس حدیث کوامام احمدؒ، امام مسلمؒ، اور امام اسحاقؒ نے صحیح قرار دیا ہے لھذا اس پر کس طرح کا کلام اثر انداز نہیں ہوتا۔[1]

نیز اسی مضمون کی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔

مولانا عبدالرؤف سندھواس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:۔ یہ صحیح حدیث ہے، اسے امام مسلم نے صحیح میں، ابن حزم نے محلّی (۳/۲۴۰)، منذری نے مختصر سنن (۱/۳۱۳) میں اور ابن الترکمانی نے الجوہر النقی (۲/۱۵۴) میں صحیح کہا ہے۔[2]

اس حدیث میں مقتدی کو وَلَا الضَّالِّيْن تک خاموش رہنے کا حکم ہے اور صرف آمین کہنے کی اجازت ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس حدیث میں مقتدی کو سورۃ الفاتحہ کی قراءت سے منع کیا گیا ہے۔

بزرگ غیر مقلد عالم مولانا محمد گوندلویؒ (م ۱۴۰۵ھ) فرماتے ہیں:

ہمارا تو یہ مسلک ہے فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ فرعی اختلافی ہونے کی بناء پر اجتہادی ہے پس جو شخص حتی الامکان تحقیق کرے اور یہ سمجھے

۱۔ رسائل دينية سلفية (ص ۵۴) بحواله نماز پیمبر صلّى الله عليه وسلّم (ص ۱۳۹)

۲۔ القول المقبول (ص ۴۵۱)

کہ فاتحہ فرض نہیں خواہ نماز جہری یا سری ہو اپنی تحقیق پر عمل کرے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی۔[1]

نیز لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص اپنی تحقیق کی بناء پر امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے۔[2]

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

امام بخاریؒ کے دور سے لے کر دور قریب کے محققین علمائے اہل حدیث تک کسی کی تصنیف میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز باطل ہے، وہ بے نماز ہیں، وغیرہ۔[3]

غیر مقلدین کے نزدیک نماز میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، جب کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورۃ کی قرأت منع ہے، حالانکہ اس تفریق پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، جیسا کہ مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ غیر مقلد (م ۱۳۸۷ھ) سابق امیر جمعیت اہلحدیث پاکستان نے لکھا ہے:

ورنہ (سورہ فاتحہ کے) ماسوا کی نفی کے متعلق کوئی واضح حکم نہیں، حضرت عبادہؓ کی روایت سے یہ شبہ ہوتا ہے، لیکن حقیقت یہی ہے کہ اس میں سورۂ فاتحہ کے وجوب کا اظہار مقصود ہے، اس سے زیادہ کی نفی مطلوب نہیں۔[4]

۱۔ خیر الکلام (ص ۳۳)　۲۔ ایضاً (ص ۲۴۵)

۳۔ توضیح الکلام (۱/ ۴۳)

۴۔ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نماز (ص ۷۷)

حدیث نمبر ۱۷

امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے

امام کی قراءت کے وقت مقتدی کوقراءت کرنا اس لئے بھی منع ہے کہ امام کی قراءت ہی مقتدی کی طرف سے بھی کافی ہے۔لہذا مقتدی کو کسی قسم کی قراءت کی ضرورت ہی نہیں۔ یہی نبی کریم ﷺ کی تعلیم ہے۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: .مَنْ کَانَ لَہٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَۃُ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاءَۃٌ۔[1]

ترجمہ:۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کا امام ہو تو اس امام کی قراءت ہی اس (مقتدی) کی قراءت ہے۔

امام احمد بن ابوبکر بوصیریؒ (م ۸۴۰ھ) نے اس حدیث کو "مسند احمد بن منیع" اور "مسند عبد بن حمید" سے بالسند نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

اسناد حدیث جابر الاول صحیح علی شرط

۱۔ مؤطا للامام محمد،باب القراء ۃ فی الصلاۃ خلف الامام (ص۱۹۸) شرح معانی الآثار،باب القراء ۃ خلف الامام (۱/۱۴۹)، مسند احمد بن منیع، مسند عبد بن حمید بحوالہ اتحاف الخیرۃ المھرۃ (۲/۲۱۲)

الشیخین والثانی علی شرط مسلم۔[1]

حضرت جابرؓ کی مذکورہ حدیث کی پہلی سند (مسند احمد بن منیع والی) "صحیح بخاری" و "صحیح مسلم" کی شرط پر، جب کہ اس کی دوسری سند (مسند عبد بن حمید والی) "صحیح مسلم" کی شرط پر صحیح ہے۔

شیخ البانی غیر مقلد لکھتے ہیں:۔ وقواہ شیخ الاسلام ابن تیمیۃ کمافی الفروع لابن عبد الھادی (ق۲/۴۸)وصحح بعض طرقہ البوصیری۔[2]

اس حدیث کو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے قوی قرار دیا ہے جیسا کہ علامہ ابن الھادیؒ کی کتاب الفروع میں ہے اور امام بوصیریؒ نے اس کے بعض طرق کو صحیح کہا ہے۔

مذکورہ حدیث اور اس جیسی دیگر صحیح اور صریح احادیث کے مقابلے میں فاتحہ خلف الامام کے ثبوت میں کوئی بھی حدیث صحیح نہیں ہے، چنانچہ اس مسئلہ کے ثبوت میں جو مرکزی دلیل، حدیث (بروایت عبادہ بن صامتؓ) پیش کی جاتی ہے، وہ بھی باقرار شیخ البانیؒ غیر مقلد ضعیف ہے۔[3]

اور اگر بالفرض یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس سے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا وجوب ثابت نہیں ہوتا، جیسا کہ شیخ البانیؒ نے بھی تصریح کی ہے۔[4]

۱۔ ایضاً

۲۔ صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ص۱۰۰)

۳۔ تحقیق المشکاۃ (۱/۲۷۰) ۴۔ ایضاً

حدیث نمبر ۱۸

آمین آہستہ کہنا مسنون ہے

جب امام سورت فاتحہ پڑھنے سے فارغ ہو جائے تو امام بھی اور مقتدی بھی آہستہ سے آمین کہیں۔ یہی سنت ہے، جیسا کہ حدیث ذیل میں ہے۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اَنَّهُ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ حِيْنَ قَالَ: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ :قَالَ آمِيْنَ يَخْفِضُ بِهَا صَوْتَهٗ.[1] وَفِيْ رِوَايَةٍ اَخْفٰى بِهَا صَوْتَهٗ.[2]

ترجمہ:۔ انہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، جب آپ ﷺ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھ چکے تو آپ ﷺ نے آمین کہی اور اپنی آواز آہستہ کر لی۔

امام حاکمؒ (م ۴۰۵ھ) اور حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) مستدرک کی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:۔ هذا حديث صحيح على شرط الشيخين[3]

یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

۱۔ المستدرک (۲/۲۵۳)، باب قراءة النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم، رقم الحدیث (۲۹۱۳) للحاکم

۲۔ سنن الدارقطنی، باب التامین فی الصلاة، رقم الحدیث ۱۲۵۶

۳۔ المستدرک: (۲/۲۵۳) مع تلخیص الذہبیؒ

علامہ شوکانیؒ غیر مقلد (م ۱۲۵۵ھ) نے بھی اس حدیث کو درست قرار دیا ہے اور اس پر امام بخاریؒ وغیرہ کے اعتراض کو کالعدم قرار دیا ہے۔[1]

مولانا نواب نور الحسن خانؒ غیر مقلد نے بھی تسلیم کیا ہے کہ:

نماز میں آمین آہستہ کہنے کی احادیث بھی صحیح ہیں۔[2]

نیز اس حدیث کی تائید دیگر کئی صحیح احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں سے ایک گذشتہ حدیث نمبر ۱۶ بھی ہے۔ اس حدیث میں امام کے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہنے پر مقتدیوں کو آمین کہنے کا حکم ارشاد ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ امام جہر سے آمین نہیں کہتا۔ کیونکہ اگر امام سورت فاتحہ کی طرح آمین بھی جہر سے کہتا تو آپ ﷺ فرماتے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو اذ لَيْسَ فَلَيْسَ.

نیز اسی حدیث میں آگے ارشاد ہے کہ جب امام سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے تو تم اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو۔ ظاہر ہے کہ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ آہستہ کہا جاتا ہے اور بعینہ اسی طرح کے الفاظ آمین کے بارے میں بھی وارد ہوئے ہیں اس لئے آمین بھی آہستہ آواز سے کہنی چاہیے۔

ان ٹھوس اور واضح دلائل کی وجہ سے ہی محدث کبیر، مجتہد شہیر امام محمد بن جریر طبریؒ (م ۳۱۰ھ) نے آمین آہستہ کہنے کو ترجیح دی ہے اور فرمایا ہے:

وان كنت مختارا حفض الصوت بها، اذ كان اكثر

۱۔ نیل الاوطار (۱/۳۸۶)

۲۔ عرف الجادی (ص ۲۹، ۳۰)

الصحابة والتابعين على ذلك.[1]

میں نماز میں آمین آہستہ کہنا پسند کرتا ہوں، کیونکہ اکثر صحابہؓ وتابعینؒ کا بھی اسی پر عمل ہے۔

غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلویؒ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ نماز میں آمین آہستہ کہنا بھی مستحب ہے۔[2]

اسی طرح علامہ وحید الزمانؒ غیر مقلد نے بھی تصریح کی ہے کہ:
یہ مسئلہ صحابہؓ وتابعین میں مختلف فیہ رہا ہے، کوئی آمین پکار کر کہتا اور کوئی آہستہ۔[3]

واضح رہے کہ جن علماء نے آمین بالجہر کو ترجیح دی ہے ان کے نزدیک بھی صرف امام کو ہی آمین بالجہر کہنا چاہیے باقی مقتدیوں کیلئے ان کے ہاں بھی آمین بالسر کہنا ہی مسنون ہے۔ چنانچہ شیخ البانی غیر مقلد لکھتے ہیں: نص الشافعي علىٰ ان الامام يجهر بآمين دون مقتديين و هذا هو الصواب.[4]
امام شافعیؒ نے تصریح کی ہے کہ صرف امام ہی جہر سے امین کہے نہ کہ مقتدی اور یہی بات درست ہے۔

۱۔ الجوهر النقی (۲/ ۵۸)
۲۔ فتاویٰ نذیریہ (۱/ ۴۴۸)
۳۔ لغات الحدیث (مادۃ الخل، ص ۱۱۵)
۴۔ الحاوی من فتاوی الشیخ الالبانی (ص ۲۲۲)

حدیث نمبر ۱۹

نماز میں تکبیر اولیٰ کے علاوہ رفع یدین نہ کرنا سنت ہے

جب آدمی قراءت سے فارغ ہو تو تکبیر کہتے ہوئے سیدھا رکوع میں چلا جائے اور رفع یدین نہ کرے۔ اسی طرح رکوع سے اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے ہوئے بھی رفع یدین نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ رسول خدا ﷺ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور پھر نماز سے فارغ ہونے تک دوبارہ رفع یدین نہیں کرتے تھے جیسا کہ حدیث ذیل میں ہے۔

حضرت علقمہؒ کہتے ہیں:۔ قَالَ عَبْدُاللهِ بْنُ مَسْعُوْدٍؓ: اَلَااُصَلِّیْ بِکُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَصَلّٰی فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْهِ اِلَّافِیْ اَوَّلِ مَرَّةٍ.[1]

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ جیسی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ پھر آپؓ نے نماز پڑھی اور صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا۔

امام ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

۱۔ سنن الترمذی باب من جاء ان النبی لم یرفع الافی اول مرة، رقم الحدیث (۲۵۷)، سنن ابی داؤد، باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع، رقم الحدیث (۷۴۸)، سنن النسائی، باب الرخصة فی ترک رفع الیدین عندالرکوع، رقم الحدیث (۱۰۲۰)

ترمذی کے بعض نسخوں میں "حَسَنٌ صَحِیْحٌ" کے الفاظ بھی ہیں۔[1]

علامہ ابن الترکمانیؒ (م ۷۴۵ھ) فرماتے ہیں: اس حدیث کے سارے راوی امام مسلمؒ کی شرط کے ہیں۔[2]

علامہ احمد شاکرؒ غیر مقلد (م ۱۳۷۷ھ) لکھتے ہیں:۔ هذا الحديث صححه ابن حزم وغيره من الحفاظ، وهو حديث صحيح، وماقالوه فى تعليله ليس بعلة.[3]

اس حدیث کو علامہ ابن حزم ظاہری اور دیگر حفاظ حدیث نے صحیح کہا ہے اور یہ حدیث واقعی صحیح ہے، بعض لوگوں نے اس میں جو کمزوریاں بیان کی ہیں تو ایسی اس میں کوئی کمزوری نہیں ہے۔

عصر حاضر کے مشہور غیر مقلد محقق شیخ ناصر الدین البانیؒ رقمطراز ہیں:۔ والحق انه حديث صحيح، واسناده صحيح على شرط مسلم، ولم نجد لمن اعله حجة يصلح التعلق بها وَرَدُّ الحديث من اجلها.[4] حق بات یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اسکی سند امام مسلمؒ کی شرط پر صحیح ہے۔ اور جن لوگوں نے بھی اس حدیث کی کمزوری بیان کی ہے، ہم نے ان کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں پائی جو ان کے دعویٰ سے مطابقت رکھتی ہو اور اس کی وجہ سے اس حدیث کو رد کر دیا جائے۔

۱۔ (تحقیق الترمذی (۲ / ۴۱) للاحمد شاکرؒ)

۲۔ الجوهر النقى (۲/۷۸) ۳۔ تحقیق الترمذی (۲ / ۴۱)

۴۔ تحقیق المشکاۃ (۱ / ۲۵۴)۔

مولانا عطاء اللہ حنیفؒ غیر مقلد نے بھی اس حدیث کو ثابت تسلیم کیا ہے۔[1]

واضح رہے کہ اس حدیث کے ایک راوی سفیان ثوریؒ کے متعلق خود اکابر غیر مقلدین نے بھی تصریح کی ہے کہ عندالمحدثین ان کی تدلیس مضر نہیں ہے۔[2] بالخصوص جب اس حدیث کی تائید دیگر کئی مرفوع احادیث سے بھی ہو رہی ہے۔[3]

نیز دیگر کئی صحابہؓ کی طرح حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے بھی بسند ثقات ثابت ہے کہ وہ بھی صرف تکبیر اولیٰ کے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔[4]

غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلوی صاحبؒ (م ۱۳۲۰ھ) نے بھی ترک رفع یدین کی احادیث کو صحیح تسلیم کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں: علماء حقانی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے میں لڑنا جھگڑنا تعصب اور جہالت سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ مختلف

۱۔ التعلیقات السلفیہ (۲/۱۰۷)

۲۔ دیکھئے احکام الاحکام (۱/۱۳۷) لابن حزمؒ، مقالات مبارکپوری (ص ۳۶۸)، ابکار المنن (ص ۱۹۸)، مقالات راشدیہ (۱/ ۳۰۵-۳۲۷، ۳/۳۹۰)، خیر الکلام (ص ۲۱۴)

۳۔ مثلاً دیکھئے صحیح ابی عوانہ (رقم الحدیث: ۱۳۵۱)، مسند الحمیدی (رقم الحدیث: ۶۱۴)، مسند ابی یعلیٰ (رقم الحدیث: ۵۰۱۷، ۱۶۸۵، ۱۶۸۸)

۴۔ نصب الرایہ (۱/ ۴۰۵)، (۴۰۶)، الدرایہ (۱/۱۵۳)

اوقات میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہیں اور دونوں طرح کے دلائل موجود ہیں۔[1]

علامہ ابن حزم ظاہریؒ غیر مقلد (م ۴۵۶ھ) ارقام فرماتے ہیں:

وان لم ترفع فقد صلینا کما کان علیہ السلام یصلی[2]

اور اگر ہم نے (تکبیر اولی کے علاوہ) رفع یدین نہ کیا تو بھی ہم نے ویسی ہی نماز پڑھی جیسی نبی علیہ السلام نماز پڑھا کرتے تھے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ غیر مقلد (م ۱۹۴۶ء) لکھتے ہیں:

ہمارا (غیر مقلدین کا) مذہب ہے کہ رفع یدین نہ کرنے سے نماز کی صحت میں کوئی خلل نہیں آتا۔[3]

بعض غیر مقلدین اس قدر غلو کا شکار ہیں کہ وہ نماز میں رفع یدین اور آمین بالجہر کو واجب اور ضروری تک قرار دے دیتے ہیں، حالانکہ ان کے نامور عالم علامہ وحید الزمانؒ (۱۳۳۸ھ) نے تصریح کی ہے کہ:

جو شخص رفع یدین اور آمین بالجہر کو واجب اور لازمی سمجھے اور اس پر عمل نہ کرنے والوں کو ملامت کرے، وہ گمراہ ہے اور اس پر شیطان کا تسلط ہے۔[4]

۱۔ فتاویٰ نذیریہ (۴۴۱/۱)

۲۔ المحلی (۱۴۰/۳)

۳۔ فتاویٰ ثنائیہ (۳۶۲/۱)، فتاویٰ علمائے حدیث (۱۵۳/۳)

۴۔ لغات الحدیث (جلد اول، کتاب "ج"، مادہ "جعل"، ص ۶۲)

حدیث نمبر ۲۰

رکوع، قومہ، سجدہ اور جلسہ کا مسنون طریقہ

رکوع، قومہ (رکوع سے سیدھا کھڑا ہونے)، سجدہ اور جلسہ (دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے) کا مسنون طریقہ جو حدیث میں بیان کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے، حضرت سالم براد فرماتے ہیں:

اَتَیْنَا عُقْبَةَ بْنَ عَمْرٍوالْاَنْصَارِیَّ اَبَا مَسْعُوْدٍ فَقُلْنَالَهُ: حَدِّثْنَاعَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَامَ بَیْنَ اَیْدِیْنَافِی الْمَسْجِدِفَكَبَّرَ، فَلَمَّا رَكَعَ وَضَعَ یَدَیْهِ عَلٰی رُكْبَتَیْهِ،وَجَعَلَ اَصَابِعَهُ اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِکَ،وَجَافٰی بَیْنَ مِرْفَقَیْهِ حَتّٰی اسْتَقَرَّ كُلُّ شَیْءٍ مِنْهُ،ثُمَّ قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ: فَقَامَ حَتّٰی اسْتَقَرَّكُلُّ شَیْءٍ مِنْهُ،ثُمَّ كَبَّرَوَسَجَدَوَوَضَعَ كَفَّیْهِ عَلَی الْاَرْضِ،ثُمَّ جَافٰی بَیْنَ مِرْفَقَیْهِ حَتّٰی اسْتَقَرَّ كُلُّ شَیْءٍ مِنْهُ،ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهُ فَجَلَسَ حَتّٰی اسْتَقَرَّ كُلُّ شَیْءٍ مِنْهُ،فَفَعَلَ مِثْلَ ذَالِکَ اَیْضًا،ثُمَّ صَلّٰی اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ مِثْلَ هٰذِهِ الرَّكْعَةِ، فَصَلّٰی صَلَاتَهُ ثُمَّ قَالَ: هٰكَذَا رَاَیْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یُصَلِّیْ.[1]

۱۔ سنن ابی داؤد، باب صلوۃ من لایقیم صلبہ فی الرکوع والسجود، رقم الحدیث (۸۶۳)، سنن النسائی، باب مواضع اصابع الیدین فی الرکوع، رقم الحدیث (۱۰۳۹)، المستدرک، باب التامین، رقم الحدیث (۸۱۶)

ترجمہ:۔ ہم حضرت عقبہ بن عامر ابو مسعود انصاری ﷜ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: ہمیں رسول اللہ ﷺ کی نماز سے متعلق کچھ بتلائیے۔ اس پر حضرت ابو مسعود ﷜ مسجد میں ہمارے سامنے (نماز کیلئے) کھڑے ہوگئے اور تکبیر (تحریمہ) کہی۔ جب آپ نے رکوع کیا تو اپنے دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھ لیا اور ہاتھ کی انگلیوں کو گھٹنوں سے نیچے اور اپنی کہنیوں کو جسم سے علیحدہ رکھا یہاں تک کہ ہر عضو میں ٹھہراؤ آگیا۔ پھر سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه کہتے ہوئے سیدھے کھڑے ہوگئے یہاں تک کہ ہر عضو میں ٹھہراؤ آگیا۔ پھر آپ تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں گئے اور اپنی ہتھیلیوں کو زمین پر رکھا اور کہنیوں کو جسم سے علیحدہ رکھا یہاں تک کہ ہر عضو میں ٹھراؤ آگیا! پھر سجدہ سے سر اٹھایا اور (جلسہ میں) بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ ہر عضو میں ٹھہراؤ آگیا۔ پھر آپ نے اسی طرح چار رکعت پڑھ کر نماز مکمل کرلی اور فرمایا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

امام حاکمؒ (م ۴۰۵ھ) اور امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:۔

هذاحديث صحيح الاسناد کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔[1]

---

[1] المستدرک مع تلخیص الذهبیؒ (۱/۳۴۷).

حدیث نمبر ۲۱

سجدہ کرنے کا مسنون طریقہ

سجدہ کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سجدہ کو جاتے ہوئے پہلے گھٹنے زمین پر رکھنے چاہییں اور پھر ہاتھ، جبکہ سجدہ سے اٹھتے ہوئے اس کے برعکس یعنی پہلے ہاتھ اٹھانے چاہییں اور پھر گھٹنے، جیسا کہ حدیث ذیل میں ہے۔

حضرت وائل بن حجر ﷜ فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ، وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ۔[1]

ترجمہ:۔ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ جب سجدہ کرتے تو گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھتے اور سجدہ سے اٹھتے وقت ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے تھے۔

امام ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ امام حاکمؒ (م ۴۰۵ھ) اور حافظ ذہبی (م ۷۴۸ھ) اس کو صحیح مسلم کی شرط پر صحیح کہتے

---

[1] سنن ابی داؤد، باب کیف یضع رکبتیه قبل یدیه، رقم الحدیث (۸۳۸)، سنن الترمذی، باب ماجاء فی وضع الیدین قبل الرکبتین فی السجود، رقم الحدیث (۲۶۸)، المستدرک، باب التامین، رقم الحدیث (۸۲۲)

ہیں۔[1]

امام ابن خزیمہؒ (م ۳۱۱ھ) نے بھی اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور انہوں نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ جس حدیث میں سجدہ کو جاتے وقت ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھنے کا ذکر ہے، وہ منسوخ ہے، اور پھر اس کی دلیل میں انہوں نے حضرت سعدؓ کی حدیث (کہ (ہم سجدہ کرتے وقت) ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھا کرتے تھے، پھر ہمیں گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھنے کا حکم دیا گیا) بھی ذکر کی۔[2]

امام بغویؒ (م ۵۱۶ھ) نے بھی اس حدیث کو راجح قرار دیا ہے۔[3]

نیز امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے بھی اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔[4] لہٰذا اس حدیث کے ایک راوی شریکؒ پر تدلیس[5] کا الزام باطل ہے، کیونکہ مولانا عبدالرؤف غیر مقلد اور مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد نے

۱۔ المستدرک (۱/ ۳۴۹) مع تلخیص الذہبیؒ

۲۔ صحیح ابن خزیمۃ (۱/ ۳۶۶، رقم الحدیث ۶۲۸، ۶۲۹)

۳۔ مصابیح السنۃ (۱/ ۱۱۳)

۴۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان (۳/ ۱۴۹، رقم الحدیث ۱۹۰۸)

۵۔ ''تدلیس'' کہتے ہیں کہ کوئی راوی روایت میں اپنے استاذ کا نام لینے کی بجائے اس کے اوپر کے راوی کا نام لے لے، اور ایسا لفظ استعمال کرے کہ جس سے یہ محسوس ہو کہ اس نے اس راوی سے یہ حدیث سنی ہے۔ مثلاً کہے کہ عن فلان.

تصریح کی ہے کہ: حافظ ابن حبانؒ نے اپنی صحیح کے مقدمے (۱/ ۱۶۱، ۱۶۲) میں مدلسین کے بارے میں جو صراحت کی ہے، اس کے مطابق ان کی اس کتاب میں مدلس کی وہ روایت جس میں اس نے تحدیث یا سماع کی صراحت نہ بھی کی ہو تو اسے تحدیث یا سماع پر ہی محمول کیا جائے گا۔[1]

بنابریں امام ابن حبانؒ کا شریکؒ کی مذکورہ روایت کو اپنی صحیح میں روایت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی یہ روایت تحدیث یا سماع پر محمول ہے، لہٰذا شریکؒ کی وجہ سے اس حدیث پر اعتراض فضول ہے۔

نیز مولانا عبدالرحمان مبارکپوریؒ غیر مقلد نے بحوالہ امام حلبیؒ شریک نخعیؒ کو ان ائمہ میں شمار کیا ہے کہ جن کی تدلیس مضر نہیں ہے۔[2]

اور پھر یہ حدیث حضرت وائل بن حجرؓ (بروایت عبدالجبار بن وائل)، حضرت سعدؓ اور حضرت انسؓ کی روایات سے بھی مؤید ہے۔[3]

مشہور صاحب تصانیف غیر مقلد عالم مولانا محمد صادق سیالکوٹیؒ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔ معلوم ہوا کہ قومہ سے سجدہ کرتے وقت پہلے گھٹنے زمین پر رکھنے چاہییں پھر ہاتھ۔ جمہور ائمہ حنفیؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کا عمل اسی حدیث پر ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں بھی آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب

۱۔ القول المقبول (ص ۳۹۴)، توضیح الکلام (۱/ ۲۳۸)

۲۔ مقالات مبارکپوری (ص ۳۶۸)

۳۔ دیکھئے ''سنن ابی داؤد'' (رقم الحدیث: ۸۳۹)، المعجم الاوسط (رقم الحدیث: ۵۹۱۱)، صحیح ابن خزیمہ (رقم الحدیث: ۶۲۸)، المستدرک (رقم الحدیث: ۸۲۲)

سجدہ میں جاتے تو ابتدا کرتے ساتھ گھٹنوں کے۔[1]

نیز موصوف اس حدیث کو حدیث ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ (جس میں سجدہ کو جاتے وقت ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھنے کا ذکر ہے) پر ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔الی اصل ترجیح پہلی حدیث کو ہے۔ابوسلیمان خطابی نے فرمایا ہے کہ حدیث وائل بن حجر کی بہت ثابت ہے اس حدیث (ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ) سے۔پس اکثر عمل حدیث وائل رضی اللہ عنہ پر چاہیے۔[2]

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ (م ۱۲۰۶ھ) رقم طراز ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جاتے ہوئے سب سے پہلے زمین پر اپنے گھٹنے رکھتے، پھر اس کے بعد اپنے ہاتھ اور پھر اپنا ماتھا اور ناک رکھتے تھے، اور یہی طریقہ صحیح ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر سب سے پہلے اپنا وہ عضو رکھتے جو زمین کے سب سے زیادہ قریب ہوتا اور پھر اس کے بعد جو قریب ہوتا، اور جب سجدہ سے اٹھتے تو اس کے برعکس سب سے پہلے اپنا وہ عضو اٹھاتے جو سب سے اعلیٰ ہے اور پھر اس کے بعد جو اعلیٰ ہے وہ اس طرح کہ آپ سب سے پہلے اپنا سر، پھر اپنے ہاتھ اور پھر گھٹنے اٹھاتے تھے۔[3]

۱۔ صلوٰۃ الرسول، ص ۲۴۴

۲۔ ایضاً، ص ۲۴۵

۳۔ مجموعہ مؤلفات الشیخ محمد بن عبدالوہاب (۱/۱۵)

حدیث نمبر ۲۲

عورتوں کے سجدہ کرنے کا مسنون طریقہ

عورتوں کی نماز مردوں سے جن چند صورتوں میں مختلف ہے ان میں سے ایک سجدہ بھی ہے کہ مردوں کو سجدے میں اپنے جسم کو زمین سے اور اپنی کہنیوں کو جسم سے علیحدہ رکھنا چاہیے جیسا کہ حدیث نمبر ۲۰ میں بیان ہوا ہے لیکن عورتیں سجدہ کرتے ہوئے اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے، اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے ملالیں۔ چنانچہ حضرت یزید بن ابی حبیبؒ سے روایت ہے:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَرَّعَلٰی امْرَأَتَیْنِ تُصَلِّیَانِ فَقَالَ اِذَاسَجَدْتُّمَا فَضُمَّابَعْضَ اللَّحْمِ اِلَی الْاَرْضِ فَاِنَّ الْمَرْأَةَ لَیْسَتْ فِیْ ذَالِکَ کَالرَّجُلِ.[1]

ترجمہ:۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملالیا کرو کیونکہ عورت کا حکم سجدے میں مرد جیسا نہیں ہے۔

اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔ البتہ یہ روایت مرسل ہے کیونکہ یزید بن ابی حبیبؒ جو اس روایت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر رہے ہیں، صحابی نہیں

۱۔ مراسیل ابی داؤد (ص ۱۹۱، رقم الحدیث: ۸۹)

بلکہ تابعیؒ ہیں۔ اور ہر ایسی روایت جس کو نبی ﷺ سے تابعی روایت کرے وہ مرسل ہوتی ہے۔ مرسل روایت جمہور علمائے امت : امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام سفیان ثوریؒ وغیرہ کے نزدیک بغیر کسی اضافی شرط کے حجت ہے۔

امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیال محدثین کے نزدیک صرف مرسل معتضد روایت حجت ہے۔ مرسل معتضد یہ ہے کہ اس مرسل کی تائید کسی دوسری روایت سے ہوتی ہو خواہ وہ روایت ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔[1]

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ صاحب (غیر مقلد) نے تصریح کی ہے کہ مرسل معتضد بالاتفاق حجت ہے۔[2]

نیز لکھتے ہیں کہ: مرسل معتضد کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔[3]

مذکورہ بالا حدیث بھی مرسل معتضد ہے جو سب کے نزدیک حجت ہے کیونکہ اس کی تائید کئی روایات سے ہوتی ہے۔ بطور نمونہ ان میں سے صرف دو روایات کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

نمبر۱: حضرت ابن عمر ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب عورت سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے اس طرح ملالے

۱۔ النکت علی کتاب ابن الصلاح (ص ۲۱۴) لابن حجرؒ، فتح المغیث (۱/ ۱۶۴) للسخاویؒ، حجۃ اللہ البالغۃ (۱/ ۱۴۰)

۲۔ (ابکار المنن: ۱۳۳)

۳۔ تحقیق الکلام (۱/ ۹۵)

جو اسکے لئے زیادہ سے زیادہ پردے کا موجب ہو۔[1]

نمبر۲: حضرت ابوسعید الخدری ﷛ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے فرمایا کہ: وہ سجدہ میں (زمین کے ساتھ) سمٹ جائیں۔[2]

نیز حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہما کے آثار سے بھی اس حدیث کی تائید ہوتی ہے۔[3]

اکابر علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی عورت کا حکم سجدے میں مردوں سے جدا ہے۔ چنانچہ علامہ امیر یمانی غیر مقلد (م ۱۱۸۲ھ) نے ''صحیح مسلم'' کی حدیث، جس میں سجدہ کے دوران کہنیوں کو جسم سے دور رکھنے کا حکم ارشاد ہوا ہے، ذکر کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

و هذا فی حق الرجل، لا المرأة، فانها تخالفه فی ذلک.

یہ حکم مردوں کے بارے میں ہے، نہ کہ عورتوں کے بارے میں، اس لیے کہ عورتوں کا حکم سجدے میں مردوں سے جدا ہے۔ یعنی وہ اپنی کہنیاں سجدے میں اپنے جسم سے ملا کر رکھیں۔

پھر اس کے بعد علامہ موصوف نے اس پر بطور دلیل یزید بن حبیبؒ کی مذکورہ بالا مرسل حدیث ذکر فرمائی۔[4]

۱۔ السنن الکبریٰ ۲/ ۲۲۳) للبیہقیؒ.

۲۔ ایضاً (۲/ ۲۲۲) ۳۔ ایضاً مصنف ابن ابی شیبۃ (۱/ ۳۰۲)

۴۔ سبل السلام (۱/ ۱۹۲)

مولانا عبدالجبار غزنویؒ غیر مقلد (م۱۹۱۳ء) نے بھی اس سلسلہ میں یزید بن ابی حبیبؒ وغیرہ کی روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

اور اسی پر تعامل اہل سنت مذاہب اربعہ وغیرہ سے چلا آیا ہے۔

پھر اس کے بعد مولانا موصوف مذاہب اربعہ کی معتبر کتب کے حوالجات نقل کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

غرض کہ عورتوں کا انضمام وانخفاض (بحالتِ سجدہ جسم کا رانوں سے ملانا اور زمین کی طرف زیادہ جھکنا) نماز میں احادیث وتعامل جمہور اہل علم از مذاہب اربعہ وغیرہم سے ثابت ہے، اس کا منکر کتب حدیث وتعاملِ اہل علم سے بے خبر ہے۔[1]

مولانا عبداللہ روپڑی غیر مقلد (م۱۳۸۴ھ) نے بھی تسلیم کیا ہے کہ عورتوں کے سجدہ کرنے کا طریقہ مردوں سے جدا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

لیکن عورت کے متعلق بعض حدیثوں میں استثناء آئی ہے کہ عورت (سجدے میں) پیٹھ نہ اٹھائے بلکہ رانوں سے ملالے۔ اگرچہ ان احادیث میں کچھ کلام ہے لیکن ان کے مؤیدات بھی ہیں اس لئے ان پر عمل ہوسکتا ہے۔[2]

علامہ وحیدالزمان غیر مقلد (م۱۳۳۷ھ) کا بھی یہی نظریہ ہے۔[3]

۱۔ فتاوی علمائے حدیث (۳/ ۱۴۹)
۲۔ فتاویٰ اہل حدیث (۱/۵۲۳)
۳۔ کنز الحقائق (ص ۲۲)

حدیث نمبر ۲۳

دوسری رکعت کے لیے فوراً کھڑے ہونا مسنون ہے

ہر رکعت میں دو سجدے فرض ہیں۔ لہذا جب آدمی دو سجدے کرلے تو اس کی ایک رکعت مکمل ہوگئی۔ اب دوسری رکعت کے لیے فوراً سیدھے کھڑا ہو جانا چاہیے کیونکہ دوسرے سجدے اور کھڑے ہونے کے درمیان بیٹھنا جس کو جلسہ استراحت کہتے ہیں مسنون نہیں ہے۔ حضرت ابوھریرہؓ اور حضرت رفاعہ بن رافعؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک اعرابی (دیہاتی) کو نماز پڑھنے کا طریقہ بتلاتے ہوئے فرمایا:

إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلٰوةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ، فَكَبِّرْ وَاقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ حَتّٰى تَعْتَدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِيَ وَتَطْمَئِنَّ جَالِسًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِيَ[1] قَائِمًا، ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِيْ صَلٰوتِكَ كُلِّهَا[2]

۱۔ تنبیہ: اس حدیث (بروایت ابی ہریرہؓ) کے بعض طرق میں: "حَتّٰى تَسْتَوِيَ قَائِمًا" کے بجائے "حَتّٰى تَسْتَوِيَ جَالِسًا" کے الفاظ ہیں جو کہ شاذ ہیں، چنانچہ مولانا عبدالرؤف غیر مقلد نے لکھا ہے: اور صحیح روایت بھی یہی (جس =

ترجمہ:۔ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو (پہلے) اچھی طرح وضو کرلو، پھر قبلہ رو ہو کر تکبیر کہو اور (سورت فاتحہ کے بعد) قرآن مجید میں سے جو (سورت) تمہارے لئے آسان ہو وہ پڑھو، پھر اطمینان کے ساتھ رکوع کرو، پھر (رکوع سے) سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو، پھر (سجدہ سے) سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے ہو جاؤ اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ، پھر اطمینان کے ساتھ (دوسرا) سجدہ کرو، پھر (سجدہ سے) سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر اپنی ساری نماز میں اس طرح کرو۔

﴿ف﴾ یہ حدیث قولی ہے جس کا مرتبہ فعلی حدیث سے بڑھ کر ہوتا ہے اور اعلیٰ درجہ کی صحیح روایت ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابی کو دوسرے سجدہ کے بعد سیدھا کھڑے ہونے کا حکم فرمایا ہے۔ اس موقع پر اگر جلسہ استراحت

= میں "تَسْتَوِيَ قَائِمًا" کے الفاظ ہیں) ہے، جیسا کہ امام بیہقیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے "تلخیص" (۱/ ۲۵۵) میں کہا ہے۔ "ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا" یہ الفاظ شاذ ہیں، ان کے شاذ ہونے کی طرف امام بخاریؒ نے بھی اشارہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "فتح الباری" ۲/ ۲۷۹، ۱۱/ ۳۷ (القول المقبول: ص ۵۳)

۲۔ صحیح البخاری، باب من ردفقال علیک السلام، رقم الحدیث (۶۲۵۱)، وباب اذاحنث ناسیافی الایمان، رقم الحدیث (۶۶۶۷)، مسند احمد، رقم الحدیث (۱۹۲۰۶)

مسنون ہوتا تو آپ ﷺ اس کو دوسرے سجدہ کے بعد سیدھا کھڑا ہونے کی بجائے بیٹھنے کا حکم فرماتے۔ معلوم ہوا کہ یہ جلسہ مسنون نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن رجبؒ نے بحوالہ امام احمد بن حنبلؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے:

واستدل به علی انه لا یجلس قبل قیامه.[۱]

امام احمدؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ (دوسرے سجدے کے بعد) کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھنا نہیں چاہیے۔

امام ابن عبدالبرؒ نے بھی اس حدیث سے یہی استدلال کیا ہے۔[۲]

نیز اس حدیث کی تائید دیگر کئی احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں سے ایک حضرت ابوحمید ساعدی ﷺ کی حدیث (جس سے خود غیر مقلدین بھی مسئلہ رفع یدین میں استدلال کرتے ہیں) ہے۔ اس میں انہوں نے آپ ﷺ کے سجدہ کرنے اور سجدہ سے اٹھنے کی کیفیت یوں بیان فرمائی: ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ، ثُمَّ كَبَّرَ فَقَامَ وَلَمْ يَتَوَرَّكْ.[۳]

پھر آپ ﷺ نے تکبیر کہی اور سجدہ کیا، پھر سجدہ سے تکبیر کہہ کر کھڑے ہو گئے بیٹھے نہیں۔

حافظ ابن رجبؒ (م ۷۹۵ھ) اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

۱۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری (۵/ ۱۴۲) لابن رجبؒ، نیز دیکھئے نتائج الافکار (۲/ ۱۳۲) لابن حجرؒ

۲۔ التمہید (۷/ ۱۶۰)

۳۔ سنن ابی داؤد، رقم الحدیث (۷۳۳)

وهذه الرواية صريحة في انه لم يجلس بعد السجدة الثانية، ويدل عليه ان طائفة من الحفاظ ذكروا ان حديث ابی حمید لیس فی ذکر هذه الجلسة.[1]

یہ حدیث اس بارے میں صریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے سجدے کے بعد (دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے سے پہلے) جلسہ نہیں کیا، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حفاظِ حدیث کی ایک پوری جماعت نے اس حدیث کو بیان کرتے وقت اس میں جلسہ استراحت کا ذکر نہیں کیا۔

علامہ ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ) نے امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) سے نقل کیا ہے کہ: اكثر الاحاديث على هذا.[2]

اکثر احادیث اسی (دوسرے سجدے کے بعد جلسہ کرنے کی بجائے سیدھے کھڑے ہونے) پر دلالت کرتی ہیں۔

اس لیے نبی ﷺ کا مسنون عمل یہی ہے۔ جس حدیث میں جلسہ استراحت منقول ہے وہ جمہور علمائے امت کے نزدیک نبی ﷺ کے اس عمومی عمل کے مقابلہ میں عذر پر محمول ہے۔[3]

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ نے بھی اس حدیث کو عذر پر محمول کیا ہے۔[4]

۱۔ فتح الباری (۱۳۹/۵) نیز دیکھئے التمہید (۱۶۱/۷)

۲۔ التمهيد (۷/ ۱۶۰)

۳۔ (دیکھئے الجوهر النقی (۲/ ۲۱۱)

۴۔ مجموعہ مؤلفات شیخ محمد بن عبدالوہاب (۹۵/۴)

حدیث نمبر ٢٤

مردوں کے لئے قعدہ کا مسنون طریقہ

ہر دو رکعت کے بعد تشہد کے لئے بیٹھنا ضروری ہے۔ مردوں کے تشہد میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ درج ذیل حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا نبی ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ، وَكَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى.[1]

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ ہر دو رکعت کے بعد التحیات (پورا تشہد) پڑھا کرتے تھے اور (تشہد میں بیٹھتے وقت) آپ ﷺ اپنا بایاں پاؤں بچھاتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے تھے۔

مذکورہ حدیث میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا نے آپ ﷺ کے قعدہ کا جو طریقہ بیان کیا ہے وہ ہر قعدہ کو شامل ہے خواہ وہ پہلا قعدہ ہو یا دوسرا۔ کیونکہ انہوں نے آپ ﷺ کے قعدہ کا ایک ہی طریقہ بیان کیا ہے اور اس کو صرف قعدہ اُولیٰ کے ساتھ خاص نہیں کیا۔ جن لوگوں نے اسکو قعدہ اُولیٰ پر محمول

۱۔ صحيح مسلم، باب مايجمع صفة الصلاة، رقم الحديث (١٠٣٥)

کیا ہے، ان کا رد کرتے ہوئے علامہ شوکانی غیر مقلد (م ۱۲۵۵ھ) لکھتے ہیں:

اَنَّ رُواتها ذکروا هذه الصفة لجلوس التشهد ولم یقیدوه بالاول، واقتصارهم علیها من دون تعرض لذکر غیرها مشعر بانها هی الهیئة المشروعة فی التشهدین جمیعا، ولو کانت مختصة بالاول لذکروا هیئة التشهد الاخیر ولم یهملوه، لاسیما وهم بصدد بیان صلوة رسول الله ﷺ وتعلیمه لمن لا یحسن الصلاة، فعلم بذالک ان الهیئة شاملة لهما۔[1]

ان احادیث کے راویوں (حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا وغیرہ صحابہ ؓ) نے (نبی ﷺ کے) تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت بیان کی ہے اور اس کو پہلے قعدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ لہٰذا ان حضرات کے قعدہ کی صرف یہی کیفیت بیان کرنے اور دوسری کسی کیفیت کا ذکر نہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں تشہدوں میں قعدہ کی یہی کیفیت مشروع ہے اور اگر یہ کیفیت صرف تشہد اول کے ساتھ خاص ہوتی تو یہ حضرات دوسرے تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت ضرور ذکر کرتے اور اس کے ذکر کو کبھی ترک نہ کرتے، خصوصاً جب کہ یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کی نماز کا طریقہ بتلا رہے ہیں اور آپ ﷺ کی اس اعرابی شخص کو جو نماز اچھی طرح پڑھنا نہیں جانتا تھا، تعلیم دینے کا ذکر کر رہے ہیں۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ تشہد میں بیٹھنے کی یہ کیفیت دونوں تشہد کو شامل ہے۔

۱۔ نیل الاوطار (۱/۲۲۲)

حدیث نمبر ۲۵

عورتوں کیلئے قعدہ کا مسنون طریقہ

گذشتہ حدیث میں آپ نے مردوں کے قعدہ کا مسنون طریقہ ملاحظہ کر لیا۔ اب حدیث ذیل میں عورتوں کے قعدہ کا مسنون طریقہ ذکر کیا جاتا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) حضرت نافعؒ (م ۱۱۷ھ) سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے پوچھا گیا:

کَیْفَ کُنَّ النِّسَاءُ یُصَلِّیْنَ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ، قَالَ: کُنَّ یَتَرَبَّعْنَ ثُمَّ اُمِرْنَ اَنْ یَحْتَفِزْنَ۔[1]

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عورتیں (حالتِ تشہد میں) کس طرح بیٹھا کرتی تھیں؟ تو انہوں نے فرمایا: پہلے وہ چار زانو بیٹھا کرتی تھیں۔ پھر ان کو حکم ہوا کہ وہ سرین کے بل بیٹھیں (اور اپنے پاؤں دائیں طرف نکال لیں)۔

اس حدیث کی سند انتہائی درجہ کی صحیح ہے۔ کیونکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام نافع رحمہ اللہ دونوں جلیل القدر تابعی اور نہایت ثقہ

۱۔ مسند الامام الاعظمؒ، کتاب الصلوۃ، (ص ۷۳) بروایت امام حصکفی، مسند ابی حنیفة (ص ۴۰، رقم الحدیث ۷۹) للحارثیؒ، جامع المسانید (۱/۴۰۰) للامام الخوارزمیؒ

محدث ہیں، جب کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ مشہور صحابی ہیں۔ اور یہ حدیث "مسند امام اعظم" للحارثی میں مروی ہے۔ اور امام حارثیؒ، حافظ ابن حجرؒ وغیرہ محدثین کے نزدیک ثقہ اور ان کی یہ مسند قابل اعتماد اور مستند کتاب ہے۔[1]

غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسینؒ اور ان کے تلامذہ نے بھی "مسند امام اعظم" کو حدیث کی معتبر اور مقبول کتب میں شمار کیا ہے۔[2]

نیز بزرگ غیر مقلد عالم مولانا عبد الجبار غزنویؒ (م ۱۹۱۳ء) نے بھی قعدہ میں عورتوں کے لیے بسبب تستر دونوں پاؤں کو دائیں طرف نکال کر بیٹھنا اولیٰ (بہتر) قرار دیا ہے۔[3]

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ہماری کتاب "امام اعظم ابو حنیفہ کا محدثانہ مقام" (ص ۵۳۵-۵۴۱)

۲۔ فتاوی نذیریہ (۱/ ۲۴۳)

۳۔ فتاوی غزنویہ (ص ۲۸)، فتاوی علمائے حدیث (۳/ ۱۴۹)

حدیث نمبر ۲۶

قعدہ کی مسنون کیفیت اور تشہد کے مسنون کلمات

حالت تشہد میں ہاتھ رکھنے کی صورت درج ذیل حدیث میں سکھائی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَعَدَ يَدْعُوْ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ وَوَضَعَ اِبْهَامَهُ عَلٰى اِصْبَعِهِ الْوُسْطٰى وَيُلْقِمُ كَفَّهُ الْيُسْرٰى رُكْبَتَهُ.[1]

ترجمہ:۔ رسول خدا ﷺ جب دعا (تشہد) کے لئے بیٹھتے تو اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر اور اپنے بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے اور اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے اور اپنے انگھوٹھے کو درمیانی انگلی پر رکھتے اور اپنے بائیں ہاتھ سے بایاں گھٹنا پکڑ لیتے تھے۔

﴿ف﴾ حدیث بالا میں آنحضرت ﷺ کے تشہد پڑھنے کا ذکر ہے۔ آپ ﷺ سے تشہد کے الفاظ جو سب سے زیادہ صحیح سند سے منقول ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ صحیح مسلم، باب صفة الجلوس فی الصلوة الخ، رقم الحدیث (۱۳۳۶)

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ ،اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔[1]

ترجمہ:۔ ساری زبانی عبادتیں، ساری بدنی عبادتیں اور ساری مالی عبادتیں اللہ ہی کیلئے ہیں، اے نبی آپ پر سلام ہو، اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔ ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلام ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

ان کلمات تشہد کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جن نمازوں میں دو قعدے مشروع ہیں، ان کے پہلے قعدہ میں صرف ان ہی کلمات پر اکتفا کرنا ضروری ہے، اور ان کے دوسرے قعدہ میں، نیز جن نمازوں میں صرف ایک قعدہ مشروع ہے، ان کے قعدہ میں بھی ان کلمات کے پڑھنے کے بعد درود شریف اور مسنون دعاؤں میں سے کسی ایک یا ایک سے زیادہ دعاؤں کا پڑھ لینا بھی مستحب ہے۔ مولانا عبداللہ روپڑیؒ غیر مقلد کی بھی یہی تحقیق ہے۔[2]

۱۔ صحیح البخاری ،رقم الحدیث(۸۳۱)،صحیح مسلم، رقم الحدیث(۸۲۷)

۲۔ فتاویٰ اہلحدیث(۱/۵۲۸)

حدیث نمبر ۲۷

تشہد میں قراءتِ شہادت کے وقت انگشتِ شہادت اٹھانے کا مسنون طریقہ

تشہد پڑھتے ہوئے نمازی جب کلمہ شہادت پر پہنچے تو اس کے لئے انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنے کا مسنون طریقہ درج ذیل حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللّٰہ عنہما نبی کریم ﷺ کی حالت تشہد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُشِيْرُ بِاُصْبُعِهٖ اِذَا دَعَا وَلَا يُحَرِّكُهَا۔[1]

ترجمہ:۔ نبی ﷺ (قعدہ میں) جب دعا کرتے (یعنی کلمہ شہادت پڑھتے) تو اپنی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور اس کو ہلاتے نہیں تھے۔

امام نوویؒ (م۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:۔ رواہ ابوداؤد باسناد صحیح.[2] اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۱۔ سنن ابی داؤد، باب الاشارۃ فی التشھد، رقم الحدیث (۹۸۹)، صحیح ابی عوانۃ، باب بیان الاشارۃ بالسبابۃ الی القبلۃ ورمی البصر الیھا وترک تحریکھا بالاشارۃ، رقم الحدیث (۱۵۹۴)

۲۔ (شرح مھذب(۳/۴۵۴)

امام ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ) نے اس حدیث کو صحیح جب کہ امام بغویؒ (م ۵۱۶ھ) نے حسن قرار دیا ہے۔[1]

نیز امام ابوعوانہؒ (م ۳۱۶ھ) کا اپنی ''صحیح'' میں اس حدیث کو روایت کرنا بھی باقرار غیر مقلدین اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمان مبارکپوریؒ، مولانا عبداللہ روپڑیؒ، مولانا ابویحیٰ شاہجہان پوریؒ، اور مولانا عبدالسلام مبارکپوریؒ وغیرہ اکابر علمائے غیر مقلدین نے تصریح کی ہے کہ: امام ابوعوانہؒ نے اپنی ''صحیح'' میں صحت کا التزام کیا ہے، اوران کی ''صحیح'' میں ذکر کردہ تمام احادیث صحیح ہیں۔[2]

ان تصریحات کے باوجود بعض اصاغر غیر مقلدین کی طرف سے اس حدیث کے ایک راوی محمد بن عجلانؒ (جو کہ اکثر محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں[3]) پر تدلیس کا الزام لگایا جاتا ہے، حالانکہ مولانا محب اللہ راشدیؒ غیر مقلد کی تصریح کے مطابق محدثین جب کسی مدلس راوی کی حدیث کی تصحیح کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ ان محدثین کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ اس نے اس حدیث

۱۔ الاستذکار (۱/ ۴۷۸)، مصابیح السنۃ (۱/ ۱۱۵)

۲۔ تحقیق الکلام (۲/ ۱۲۲)، رسالہ رفع یدین اور آمین (ص ۲۲)، الارشاد الی سبیل الرشاد (ص ۲۴۹)، سیرۃ البخاریؒ (ص ۱۴۲)

۳۔ عون المعبود (۱/ ۳۸۹)

میں تدلیس نہیں کی۔[1]

نیز اس روایت میں عمرو بن دینارؒ ابن عجلانؒ کا متابع موجود ہے، لہٰذا اس پر تدلیس کا الزام بالکلیہ باطل ہے۔ نیز ان احادیث کی تائید ان صحیح احادیث سے بھی ہوتی ہے کہ جن میں تشہد پڑھتے وقت انگلی کو حرکت دینے کی بجائے اس سے اشارہ کرنے کا ذکر ہے۔ جیسا کہ حدیث نمبر ۲۶ میں بھی گزرا ہے۔

﴿ف نمبر۱﴾ مذکورہ صحیح السند حدیث میں کلمہ شہادت پڑھتے وقت انگلی کو ہلانے کی صراحتاً نفی ہے۔ البتہ ایک دوسری حدیث میں جو حضرت وائلؓ سے مروی ہے، یُحَرِّکُھَا کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی نبی ﷺ شہادت پڑھتے وقت انگلی کو ہلاتے تھے۔ ان دونوں حدیثوں میں تطبیق ممکن ہے۔ وہ اس طرح کہ اس حدیث میں بھی ''یُحَرِّکُھَا'' سے مراد انگلی ہلاتے رہنا نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ صرف انگلی اٹھاتے تھے اور اس سے اشارہ کرتے تھے کیونکہ انگلی اٹھاتے وقت بھی خفیف سی حرکت ہوتی ہے جس کو راوی نے ''یُحَرِّکُھَا'' سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ) اور امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) نے بھی ان حدیثوں میں یہی تطبیق دی ہے۔[2]

علامہ شوکانیؒ (م ۱۲۵۵ھ)، علامہ امیر صنعانیؒ (م ۱۱۸۲ھ)، مولانا محمد پنجابیؒ (م ۱۳۱۵ھ) اور مولانا عطاء اللہ حنیفؒ (۱۴۰۹ھ) وغیرہ علمائے

۱۔ مقالاتِ راشدیہ (۱/ ۳۳۸)

۲۔ سنن النسائی مع التعلیقات السلفیۃ (۲/ ۲۳۹، رقم الحدیث ۱۲۷۲)، السنن الکبری (۲/ ۱۳۲)

غیر مقلدین نے بھی اسی تطبیق کو پسند کیا ہے۔[۱]

نیز پیشوائے غیر مقلدین علامہ ابن حزم ظاہریؒ (م ۴۵۶ھ) نے بھی تصریح کی ہے: مستحب یہ ہے کہ تشہد پڑھتے وقت انگلی سے صرف اشارہ کیا جائے، اس کو حرکت نہ دی جائے۔[۲]

﴿ف نمبر۲﴾ تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی جب "اَشْهَدُاَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" پر پہنچے تو اپنے داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور درمیان کی انگلی کا حلقہ بنالے جیسا کہ حدیث نمبر ۲۶ میں گزرا۔ "اَشْهَدُاَنْ لَّااِلٰهَ" کہتے وقت شہادت کی انگلی اٹھالے اور "اِلَّا اللّٰه" کہتے وقت اسکو نیچے کرلے تاکہ آدمی کا قول، فعل اور اعتقاد تینوں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیں۔[۳]

مولانا محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد اس کیفیت کو یوں بیان کرتے ہیں:
اپنے پیارے رسول پاک ﷺ کی پیاری سنت پر عمل کرتے ہوئے اَلتَّحِيَّات میں انگلی اٹھائیں اس طرح کہ جب کلمہ شہادت پر پہنچیں تو اپنے انگوٹھے کو درمیانی انگلی کے بیچ میں رکھ کر حلقہ بنا کر انگشت شہادت کو اَشْهَدُ کہتے ہی اٹھائیں۔ (کہ زبان کے ساتھ انگلی بھی توحید کی شہادت دینے لگے) اور اِلَّا اللّٰه ختم کرکے گرادیں۔ گویا بارگاہ رب الارباب میں غلام دوزانو بیٹھ کر

۱۔ نیل الاوطار (۳۲۸/۱)، سبل الاسلام (۱۹۸/۱)، التعلیقات السلفیة (۲۳۶/۲)
۲۔ المحلی (۹۷/۴)
۳۔ (نیل الاوطار (۳۲۹/۱)

اپنے قول و فعل سے اس کی وحدانیت کی صدق دل سے گواہی دے، تاکہ دل کی تصدیق سے زبان کی شہادت عَلَّامُ الْغُيُوْب کی رضا کا موجب ہو۔ اور شہادت کی نیت سے انگلی کی تلوار بے نیام (یعنی کھڑی) ہوکر شیطان کو مجروح و مایوس کردے۔[۱]

۱۔ (صلوۃ الرسول (ص ۲۶۸، ۲۶۹)

حدیث نمبر ۲۸

سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ

قعدہ کی دعاؤں سے فارغ ہو کر نمازی دائیں طرف منہ پھیرتے ہوئے ان الفاظ کے ساتھ سلام کہے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰه (تم پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو) اور پھر بائیں طرف منہ پھیرتے ہوئے ان ہی الفاظ سے سلام کہے، جیسا کہ حدیث ذیل میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نبی ﷺ کا عمل نقل کرتے ہیں کہ:

اَنَّهُ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ.[۱]

ترجمہ: آپ ﷺ اپنے دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے اور کہتے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ.

اس حدیث کو امام ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) نے اپنی سنن میں روایت کرنے کے بعد فرمایا ہے:۔ حَدِيْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ کہ حضرت ابن مسعودؓ کی یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

۱۔ سنن الترمذی، باب ماجاء فی التسلیم فی الصلاۃ، رقم الحدیث (۲۹۵)

حدیث نمبر ۲۹

سجدہ سہو کا طریقہ

نمازی سے دوران نماز بھول سے کوئی واجب رہ جائے، یا فرائض اور واجبات میں سے کسی کو ادا کرنے میں تقدیم یا تاخیر ہو جائے، یا اس کو تعداد رکعات میں شک پڑ جائے تو ان سب صورتوں میں سجدہ سہو کرنے سے نماز درست ہو جائے گی۔ سجدہ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ آخری قعدہ میں تشہد پڑھنے کے بعد داہنی طرف ایک سلام پھیر کر دو سجدے کر لئے جائیں۔ اس کے بعد پھر قعدہ میں تشہد، درود شریف اور دعا پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیر دیا جائے۔ اس طریقہ کی تائید متعدد صحیح احادیث سے ہوتی ہے جن میں سے ایک حدیث یہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ فَلَمْ يَدْرِ اَثَلٰثًا اَمْ اَرْبَعًا. فَلْيَنْظُرْ اَحْرٰى ذٰلِكَ اِلَى الصَّوَابِ فَلْيُتِمَّهٗ، ثُمَّ لِيُسَلِّمْ، ثُمَّ لِيَسْجُدْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ وَيَتَشَهَّدُ وَيُسَلِّمُ.[۱]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس میں بھول جائے کہ اس نے تین رکعت

۱۔ شرح معانی الآثار، باب الرجل یشک فی صلاتہ الخ (۲۹۲/۱)

پڑھی ہیں یا چار رکعت تو وہ سوچ و بچار کر کے درست صورت اختیار کرے اور اس کے مطابق اپنی نماز پوری کر لے، پھر سلام پھیرے، پھر سہو کے دو سجدے کرے، پھر تشہد پڑھے اور (تشہد کے بعد درود شریف اور دعا سے فارغ ہو کر) دوبارہ سلام پھیرے۔

یہ اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث ہے کیونکہ اس کے تمام راوی نہایت ثقہ و مشہور ائمہ ہیں، اور یہ سب صحیحین (بخاری و مسلم) کے راوی ہیں سوائے ربیع بن سلیمان المؤذنؒ (تلمیذ امام شافعیؒ) کے، اور وہ بھی ثقہ ہیں۔[1]

سجدہ سہو کے بعد تشہد پڑھنے کا ثبوت مذکورہ حدیث کے علاوہ دیگر کئی احادیث سے بھی ملتا ہے، جن میں سے ایک حضرت عمران بن حصینؓ کی حدیث بھی ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن اور "جامع الترمذی"[2] کے بعض نسخوں کے مطابق "حَسَنٌ صَحِیْحٌ" قرار دیا ہے۔[3]

امام حاکمؒ (م ۴۰۵ھ) اور حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) اس کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرط پر صحیح قرار دیتے ہیں۔[4]

شیخ ناصر الدین البانیؒ غیر مقلد نے بھی تسلیم کیا ہے کہ: لکن مجموعها

۱۔ تقریب التهذیب (۱/۲۹۴)
۲۔ جامع الترمذی، رقم الحدیث (۳۹۵)
۳۔ تحقیق المشکاة (۱/۳۲۲) للالبانی
۴۔ المستدرک مع تلخیص الذهبی (۱/۴۷۰)

قد یعطی قوة.[1] یہ سب احادیث مل کر قوی ہو جاتی ہیں۔

مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ غیر مقلد نے بھی ان احادیث کو حسن قرار دیا ہے۔[2]

نیز سجدہ سہو سے قبل اور سجدہ سہو کے بعد دو دفعہ سلام پھیرنے کا ثبوت بھی مذکورہ حدیث کے علاوہ دیگر کئی صحیح احادیث سے بھی ملتا ہے۔[3]

ملحوظ رہے کہ نماز کے آخر میں جو سلام کیا جاتا ہے، اس کے متعلق تو احادیث میں صراحت موجود ہے کہ دونوں طرف سلام پھیرنا چاہیے۔ جیسا کہ حدیث نمبر ۲۸ میں بھی گزرا ہے۔ لیکن سجدہ سہو سے قبل جو سلام احادیث میں مذکور ہے، اس کے متعلق احادیث میں کوئی صراحت نہیں کہ دونوں طرف سلام پھیرا جائے، یا صرف داہنی طرف سلام پھیرنا کافی ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک یہاں بھی دونوں طرف سلام پھیرنا چاہیے، لیکن اکثر فقہاء کے نزدیک یہاں صرف داہنی طرف سلام پھیرنا اولیٰ ہے۔ اس لیے کہ یہاں سلام صرف تحلیل (نماز سے خارج ہونے) کے لیے ہے، اور تحلیل کے لیے صرف پہلا سلام (داہنی طرف والا) مشروع ہے، جب کہ بائیں طرف والا سلام تحلیل کے لیے نہیں بلکہ صرف تحیہ (دیگر نمازیوں اور فرشتوں کو سلام کرنے) کے لیے ہے، جس کی یہاں ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اس کا محل نماز کے آخر میں ہے۔[4]

۱۔ تحقیق المشکاة (۱/۳۲۲) ۲۔ عون المعبود (۲/۳۷۳)
۳۔ مثلاً دیکھئے صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۳۳۱، ۱۳۳۲)
۴۔ ردالمحتار (۱/۵۳۵، ۵۳۶)

حدیث نمبر ۳۰

فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مسنون ہے

فرض نماز کے بعد نماز کی قبولیت کا وقت ہے۔ اس وقت جو دعا مانگی جائے اللہ تعالیٰ قبول کرتے ہیں۔ فرض نماز کے بعد امام اور مقتدیوں کا اجتماعی دعا کرتے ہوئے ہاتھ اٹھانا بھی سنت سے ثابت ہے جیسا کہ حدیث ذیل میں ہے۔

حضرت محمد بن ابی یحییٰؒ فرماتے ہیں کہ:

رَاَیْتُ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ الزُّبَیْرِ ﷺ وَرَاٰی رَجُلًا رافعًا یَدَیْہِ یَدْعُوْ قَبْلَ اَنْ یَّفْرُغَ مِنْ صَلَاتِہٖ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْھَا قَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ لَمْ یَکُنْ یَرْفَعُ یَدَیْہِ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِہٖ۔[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنی نماز مکمل کرنے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہا تھا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپ نے اسے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ (دعا کیلئے) ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے جب تک کہ نماز سے فارغ نہیں ہو جاتے تھے۔

۱۔ المعجم الکبیر (۱۱/ ۳۶۵۸، رقم الحدیث ۱۳۹۱۲)

حافظ نور الدین ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) اور حافظ سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں: رجاله ثقات.[1]

اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: هذا حديث حسن[2] یہ حدیث حسن ہے۔

امام ضیاء الدین المقدسیؒ (م ۶۴۳ھ) نے بھی اس حدیث کو "المختارۃ" میں ذکر کیا ہے۔[3] جو کہ بقول مولانا ارشاد الحق اثری: اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ حدیث امام مقدسیؒ کے نزدیک بھی مقبول ہے۔[4]

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد نے بھی اس حدیث کو حسن و قابل حجت قرار دیا ہے، اور بڑی تفصیل کے ساتھ اس کے راویوں (سلیمان بن الحسن العطار اور فضیل بن سلیمان وغیرہ) کا دفاع کیا ہے۔[5]

﴿ف﴾ اس صحیح حدیث سے واضح ہو گیا کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا نبی ﷺ کی سنت ہے۔ اور اس سے فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کا ثبوت بھی ملتا

۱۔ (مجمع الزوائد: ۱۰/ ۱۶۹)، فض الوعاء (ص ۸۶)

۲۔ نتائج الافکار (۲/ ۳۱۰) بحوالہ استحباب الدعاء بعد الفرائض ورفع الیدین فیہ للشیخ عبد الحفیظ مکی (ص ۱۰۳)

۳۔ الاحادیث المختارۃ (۹/ ۳۳۶)

۴۔ مقالات (۲/ ۲۶۳)

۵۔ ایضاً (۲/ ۲۶۰-۲۷۳)

ہے، اس لیے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جماعت کی نماز کے بعد اسی جگہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہے ہوں اور اس جماعت میں شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو نماز کے بعد دعا کی فضیلت اور دعا کا موقع ہونا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن چکے ہوں، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنے میں شریک نہ ہوتے ہوں؟ اگر کسی کا دعویٰ اس کے خلاف ہے تو وہ اپنے دعویٰ کے مطابق اس طرح کا کوئی واقعہ پیش کرے۔ اس حدیث کے علاوہ کئی اور احادیث سے بھی نماز کے بعد ہاتھ اٹھاتے ہوئے اجتماعی دعا کا ثبوت ملتا ہے۔

چنانچہ مولانا محب اللہ شاہ راشدیؒ غیر مقلد نے اس موضوع پر مستقل ایک مقالہ لکھا ہے، جس میں مذکورہ بالا حدیث اور اس قسم کی دیگر متعدد احادیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ فرض نماز کے بعد امام اور مقتدیوں کا ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا سنت ہے۔[1]

نیز مولانا نذیر حسین دہلویؒ، مولانا عبدالرحمان مبارکپوریؒ، مولانا عبداللہ روپڑیؒ، مولانا عبدالجبارؒ اور مولانا محمد صادق سیالکوٹیؒ وغیرہ علمائے غیر مقلدین نے بھی فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کو جائز کہا ہے۔[2]

واضح رہے کہ دعا کرتے وقت جیسے ہاتھوں کا اُٹھانا سنت ہے، ایسے ہی

---

۱. مقالات راشدیہ (۱/ ۱۰۶ - ۱۱۴)

۲۔ دیکھئے فتاویٰ نذیریہ (۱/ ۵۶۶)، تحفۃ الاحوذی (۱/ ۲۴۶)، فتاویٰ اہل حدیث (۱/ ۵۳۰، ۵۳۱)، فتاویٰ علمائے حدیث (۳/ ۲۱۴-۲۲۲)، صلوۃ الرسول (ص ۳۱۱)

متعدد احادیث کی رُو سے دعا کے اختتام پر ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو اپنے چہرے پر مَل لینا بھی مسنون ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتے تھے تو اُس وقت تک اپنے ہاتھوں کو نیچے نہیں کرتے تھے جب تک کہ ان کو اپنے چہرے پر نہیں مَل لیتے تھے۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو صحیح اور حافظ ابن حجرؒ نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔[1]

اسی طرح کی حدیث حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ولید بن عبداللہؓ سے بھی مروی ہے۔[2]

حافظ ابن حجرؒ نے حدیثِ ابن عباسؓ کو حسن کہا ہے۔[3]

علاوہ ازیں امام بخاریؒ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ دونوں صحابی بھی دعا کے اختتام پر اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو اپنے چہرے پر مَل لیا کرتے تھے۔[4]

علامہ امیر یمانیؒ غیر مقلد (م ۱۱۸۲ھ) بھی اس عمل کو مشروع (شریعت سے ثابت) قرار دیتے ہیں۔[5]

۱۔ جامع الترمذی، رقم الحدیث (۳۳۸۶)، بلوغ المرام، رقم الحدیث (۱۲۷۵)

۲۔ المستدرک (۱/ ۲۰۷)، کتاب الدعاء (رقم الحدیث ۲۱۴) للطبرانیؒ

۳۔ فض الوعاء (ص ۷۶) للسیوطیؒ

۴۔ الادب المفرد (۲/ ۸۶، رقم الحدیث: ۶۰۹)

۵۔ سبل السلام (۴/ ۲۲۱)

حدیث نمبر ۳۱

وتر تین رکعت ایک سلام کے ساتھ ہیں

عشاء کے فرض اور سنتوں کے بعد تین رکعت وتر پڑھنا واجب ہے۔ یہ تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ دوسری رکعت کے بعد تشہد پڑھنے کے لیے قعدہ کیا جائے، پھر اٹھ کر تیسری رکعت پڑھی جائے اور آخر میں قعدہ کے بعد سلام پھیرا جائے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ لَايُسَلِّمُ اِلَّافِيْ آخِرِهِنَّ، وَهٰذَا وِتْرُ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ؓ، وَعَنْهُ اَخَذَهُ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ۔[1]

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے اور سلام صرف آخری رکعت کے بعد پھیرتے تھے اور یہی امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب ؓ کے وتر پڑھنے کا طریقہ تھا اور ان ہی سے اہل مدینہ نے یہ طریقہ حاصل کیا۔

امام ذہبیؒ نے "تلخیص المستدرک" میں اس حدیث پر سکوت کیا ہے۔[2]

۱۔ (المستدرک: ۱/۴۴۷، کتاب الوتر، رقم الحدیث: ۱۱۴۰)

۲۔ (حاشیۃ المستدرک: ۱/۴۴۷)

مولانا عبداللہ روپڑیؒ غیر مقلد اور مولانا عطاء اللہ حنیفؒ غیر مقلد لکھتے ہیں: جس حدیث پر ذہبیؒ مختصر (تلخیص المستدرک) میں سکوت کرتے ہیں، وہ ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہے۔[1]

اس حدیث کے راوی قتادہ پر اعتراض کا جواب حدیث نمبر ۳۵ میں آ رہا ہے۔ نیز یہ حدیث حضرت ابی بن کعبؓ سے بھی مروی ہے،[2] جس کو حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) نے صحیح قرار دیا ہے۔[3]

اور پھر اس حدیث کی تائید حضرت عائشہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا کی ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ فرماتی ہیں:۔ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَايُسَلِّمُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنَ الْوِتْرِ۔[4]

رسول اللہ ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

امام حاکمؒ (م ۴۰۵ھ) اور حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) دونوں اس حدیث کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرط پر صحیح کہتے ہیں۔

وتر کی دو رکعت کے بعد قعدہ اور اس میں تشہد پڑھنے کا ثبوت حدیث نمبر ۲۴ میں گزر چکا ہے جو حضرت عائشہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا سے ہی مروی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ رسول اللہ ﷺ ہر دو رکعتوں کے بعد التحیات پڑھا کرتے تھے۔ اس حدیث میں نبی ﷺ کی

۱۔ (فتاوٰی اہلحدیث (۱/۶۳۵)، فتاوٰی علمائے حدیث (۳/۱۹۰)

۲۔ سنن النسائی (رقم الحدیث: ۱۷۰۳)

۳۔ فتح الباری (۲/ ۶۱۱)

۴۔ (المستدرک: ۱/۴۴۶)

تمام نمازوں کا ضابطہ بیان فرمادیا گیا کہ ہر دو رکعت کے بعد التحیات پڑھنا چاہئے اور اس سے نماز وتر کو مستثنیٰ نہیں فرمایا گیا۔ لہٰذا اس حدیث کی رو سے وتر کی دوسری رکعت کے بعد بھی قعدہ کرنا اور اس میں تشہد پڑھنا ضروری ہے۔

واضح رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف ایک وتر پڑھنا صراحتاً کسی بھی قولی یا فعلی حدیث سے ثابت نہیں۔ چنانچہ مشہور شافعی محدث حافظ ابن الصلاح (م۶۴۳ھ) فرماتے ہیں:۔ لانعلم في روايات الوترمع كثرتهاانه عليه السلام اوتر بركعة فحسب۔[1]

وتر کی احادیث کی کثرت کے باوجود ہم نہیں جانتے کہ کسی حدیث میں آیا ہو کہ نبی علیہ السلام نے وتر کی صرف ایک رکعت پڑھی ہے۔

بعض حضرات نے وتر کی ایک رکعت ہونے پر اس قولی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں "صَلِّ رکعةً واحدةً" کے الفاظ آئے ہیں لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م۸۵۲ھ) انکار رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وتعقب بانه ليس صريحافي الفصل، فيتحمل ان يريدبقوله "صَلِّ ركعةً واحدة اى مضافةً الىٰ ركعتين مِمَّامضى۔[2]

یہ استدلال مردود ہے کیوں کہ یہ حدیث صرف ایک رکعت کے الگ پڑھنے میں صریح نہیں ہے۔ اس لئے کہ احتمال ہے کہ آپ ﷺ کی مراد صَلِّ رَكْعَةً وَّاحِدَةً سے یہ ہو کہ وہ شخص پہلی دو رکعتوں کے ساتھ ایک اور رکعت ملا کر (تین رکعتیں) پڑھے۔

۱۔ تلخیص الحبیر (۲/۱۵) ۲۔ (فتح الباری: ۲/۶۱۰)

حدیث نمبر ۳۲

وتر میں دعاءِ قنوت رکوع سے پہلے پڑھنا مسنون ہے

وتر کی تیسری رکعت میں سورۃ فاتحہ اور دوسری کوئی سورت پڑھ کر حالت قیام میں ہی تکبیر کہہ کر دعاءِ قنوت پڑھنا اور پھر تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں چلے جانا نبی ﷺ کا طریقہ ہے جیسا کہ حدیث ذیل سے ثابت ہو رہا ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ يُوْتِرُ بِثَلَاثِ رَكْعَاتٍ، كَانَ يَقْرَأُ فِى الْاُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى. وَفِى الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَاۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ: وَفِى الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ: وَيَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوْعِ.[1]

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے، پہلی رکعت میں (سورت فاتحہ کے بعد) سورت سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى، دوسری رکعت میں سورت قُلْ يَاۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، تیسری رکعت میں سورت قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے تھے اور دعائے قنوت

۱۔ سنن النسائی، باب کیف الوتر بثلاث، رقم الحدیث (۱۷۰۱)، سنن ابن ماجه، باب ماجاء فی القنوت قبل الرکوع وبعده، رقم الحدیث (۱۱۸۲)

رکوع کرنے سے پہلے پڑھتے تھے۔

مولانا عبدالرؤف سندھو غیر مقلد اس حدیث کی بابت لکھتے ہیں:

اس کو ابن سکن، ابن ترکمانی اور البانی نے صحیح کہا ہے۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث پر طویل کلام کیا ہے جس کا مختصر یہ ہے کہ اس حدیث میں رکوع سے قبل قنوت کا اضافہ شاذ ہے۔ امام ابوداؤد کا یہ کلام امام بیہقیؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ مگر ابن ترکمانی نے جوہر نقی (۳/۳۹، ۴۰) اور البانی نے ارواء الغلیل (۲/۱۶۷، ۱۶۸) میں ان کا رد کیا ہے۔ نیز اس حدیث کے شواہد بھی ہیں اور یہ شواہد ابن مسعود، ابن عباس اور ابن عمرؓ کی حدیثیں ہیں، کیوں کہ ان احادیث میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتروں میں دعائے قنوت قبل از رکوع کرتے تھے۔[1]

جن احادیث میں قنوت رکوع کے بعد پڑھنا مذکور ہے، ان کے متعلق سندھو صاحب اور اسی طرح شیخ البانیؒ غیر مقلد اور ڈاکٹر شفیق الرحمان غیر مقلد بھی لکھتے ہیں:۔ مگر ان حدیثوں سے اس مسئلے کے لئے دلیل لینا محل نظر ہے کیوں کہ ان کا تعلق قنوت نازلہ (جو مصیبت کے وقت صبح کی نماز میں پڑھی جاتی ہے۔ ناقل) سے ہے قنوت وتر سے نہیں۔ قنوت وتر میں رسول اللہ ﷺ سے دعاء قبل از رکوع ثابت ہے۔[2]

۱۔ القول المقبول (ص ۵۸۹)

۲۔ ایضا (ص ۵۸۸)، ارواء الغلیل (۲/۱۶۳)، نماز نبوی (ص ۲۳۶)

آخر میں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ قنوت پڑھنے سے پہلے تکبیر کہتے ہوئے رفع یدین (کانوں تک ہاتھ اٹھانا) بھی سنت ہے کیونکہ حضرت عمرؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ اصحاب رسول ﷺ (جن کے نقش قدم پر چلنے کی خود حضور ﷺ نے اپنی امت کو وصیت و تلقین کی ہے) سے ثابت ہے کہ وہ قنوت سے پہلے تکبیر کہتے ہوئے رفع یدین کرتے تھے۔[1]

مولانا عبدالجبار غزنویؒ غیر مقلد (م ۱۹۱۳ء) نے بھی لکھا ہے کہ:

دعاء قنوت میں رفع یدین کرنا صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔[2]

نیز امام طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) لکھتے ہیں: واما التکبیر فی القنوت فی الوتر فانها تکبیرة زائدة فی تلک الصلوة، وقد اجمع الذین یقنتون قبل الرکوع علی الرفع معها.[3]

وتر میں دعائے قنوت کی تکبیر اس نماز (وتر) کی زائد تکبیر ہے اور وہ حضرات جو رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے ہیں، ان سب کا اجماع ہے کہ اس تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے جائیں۔

۱۔ ان روایات کے لئے دیکھئے آثار السنن، باب القنوت قبل الرکوع (ص ۳۲۶)، قیام اللیل، باب القنوت قبل الرکوع (ص ۲۳۰)

۲۔ فتاوی غزنویہ (ص ۵۱)، فتاوی علمائے حدیث (۴/ ۲۸۳)

۳۔ شرح معانی الآثار، باب رفع الیدین عند رؤیة البیت (۱/ ۴۵۵)

حدیث نمبر ۳۳

تراویح کی بیس رکعات مسنون ہیں

نماز تراویح صرف رمضان المبارک میں عشاء کے فرض اور سنتوں کے بعد پڑھی جاتی ہے اور اس کی مسنون تعداد بیس رکعات ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یُصَلِّیْ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَّالْوِتْرَ۔[1]

ترجمہ: نبی ﷺ ماہ رمضان المبارک میں بیس رکعت (تراویح) اور (تین) وتر پڑھتے تھے۔

اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں سوائے امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ کے دادا ابراہیم بن عثمان ابوشیبہؒ کے، اور وہ بھی اس قدر ضعیف نہیں ہیں کہ ان کی روایت کو رد کر دیا جائے۔ چنانچہ مسند الھند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دھلویؒ (م ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں:۔ بیہقیؒ نے اس روایت کی تضعیف کی ہے اس بنا پر کہ اس حدیث کے راوی جد ابی بکر بن ابی شیبہ ہیں۔ حالانکہ جد ابی بکر بن ابی

1۔ مصنف ابن ابی شیبۃ، باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ (۲/۲۸۶)، السنن الکبریٰ، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شھر رمضان (۲/۴۹۶)

شیبہ میں اس قدر ضعف ثابت نہیں ہوتا کہ ان کی حدیث مطلقاً متروک کر دی جائے البتہ اس حدیث کے معارض کوئی دوسری حدیث صحیح ہوتی تو یہ حدیث ساقط ہو سکتی۔[1]

معلوم ہوا کہ اس حدیث کے معارض کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ اور اس کے معارض جو حدیثِ عائشہؓ پیش کی جاتی ہے، اس کا تعلق تراویح کی بجائے تہجد سے ہے۔ نیز اگر اس حدیث کو ضعیف بھی مان بھی لیا جائے تب بھی یہ حدیث حضرت عمرؓ کے فعل اور تعامل امت سے مؤید ہونے کی وجہ سے قابل حجت ہے۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا وحید الزمانؒ لکھتے ہیں:۔

کوئی یہ بھی وہم نہ کرے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی طرف سے دین میں ایک بات شریک کر دی جس کا اختیار ان کو نہ تھا، اس طرح بیس رکعت تراویح کا حکم اپنی رائے سے دے دیا حاشا و کلا کہ حضرت عمرؓ ایسا کرتے۔ بلکہ انہوں نے طریقہ نبوی ﷺ کا اتباع کیا۔ آنحضرت ﷺ کی حیات میں ایک ہی امام کے پیچھے سب نے تراویح پڑھی... اس طرح حضرت عمرؓ نے ضرور آنحضرت ﷺ کو بیس رکعتیں تراویح کی بھی پڑھتے دیکھا ہوگا۔ گو ہم تک یہ روایت بہ سند صحیح نہیں پہنچی۔ اس کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان منکر الحدیث (منکر (انوکھی) حدیث بیان کرنے والا) ہے مگر حضرت عمرؓ کا زمانہ اس سے بہت پہلے تھا ان کو بہ

1۔ (فتاویٰ عزیزی مترجم ص ۴۸۴)

سند صحیح یہ روایت پہنچ گئی ہوگی یا انھوں نے خود (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیس تراویح پڑھتے) دیکھا ہوگا۔[1]

مولانا میاں غلام رسولؒ (غیر مقلد) لکھتے ہیں:۔ حضرات صحابہ کرامؓ، ائمہ اربعہ اور مسلمانوں کی عظیم جماعت کا عمل یہ ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک مشرق و مغرب میں بیس (۲۰ تراویح اور تین وتر) ہی پڑھتے ہیں۔[2]

حدیث کی مشہور صحیح کتاب "مؤطا امام مالکؒ" میں صحیح سند سے باب "قیام شهر رمضان" میں حضرت عمر فاروقؓ کا یہ فعل موجود ہے کہ انہوں نے اپنی اپنی جگہ اکیلے یا چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تراویح پڑھنے والوں کو ایک امام کے ساتھ تراویح پڑھنے کا حکم دیا اور حضرت ابی بن کعبؓ کو امام مقرر کیا۔ اس کے بعد صحابہ کرامؓ کا تراویح کی بیس رکعات پر اجماع ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے اس حکم اور صحابہ کرامؓ کے اجماعی فیصلہ کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانہ سے لیکر تا حال ۱۴۲۶ھ تک حرمین شریفین (بیت اللہ الحرام اور مسجد نبوی شریف) میں بیس رکعت سے کم تراویح کی جماعت کبھی نہیں ہوئی۔

اس موضوع پر تفصیل کیلئے ہماری کتاب "رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ" ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ (لغات الحدیث، کتاب "و" مادہ "وزع" (ص ۳۵)

۲۔ (ینابیع ترجمہ رسالہ تراویح: ص ۲۸)

حدیث نمبر ۳۴

فجر کی سنتیں جماعت کھڑی ہونے کی صورت میں بھی پڑھنی جائز ہیں

جب جماعت کھڑی ہو تو اس وقت سنتیں یا نوافل پڑھنے کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔ لیکن چونکہ فجر کی دو سنتوں کی احادیث میں بہت زیادہ اہمیت بیان ہوئی ہے اور حضور ﷺ نے ان کے پڑھنے کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ نیز آپ کے تربیت یافتہ حضرات صحابہ کرامؓ کا طریقہ بھی یہی تھا کہ اگر فجر کی نماز ہو رہی ہوتی تو پھر بھی وہ فجر کی سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ اس لئے اگر کسی شخص نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھیں اور جماعت کھڑی ہوگئی اور اس کو جماعت کی ایک رکعت مل جانے کی امید ہے تو اس کو چاہیے کہ پہلے وہ مسجد کے دروازے پر یا مسجد کے کسی کونے میں یا کسی ستون کے پیچھے سنتیں پڑھ لے اور پھر جماعت میں شریک ہو جائے۔ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام سے ایسا ہی ثابت ہے۔ چنانچہ تابعی کبیر حضرت ابو عثمان نہدیؒ فرماتے ہیں کہ:۔ كُنَّا نَأْتِيْ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ ؓ قَبْلَ اَنْ نُصَلِّيَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ وَهُوَفِي الصَّلَاةِ فَنُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ فِيْ آخِرِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ نَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلَاتِهِمْ.[1]

۱۔ (شرح معانی الآثار، باب الرجل یدخل فی المسجد والامام فی صلوۃ الفجر (۱/۲۵۸)

ترجمہ: ہم (صحابہ ﷺ وتابعین) حضرت عمر بن الخطاب ﷺ کے پاس فجر سے پہلے کی دو رکعتیں پڑھنے سے پہلے (مسجد نبوی میں) آیا کرتے تھے جب کہ آپ نماز پڑھا رہے ہوتے۔ ہم مسجد کے آخر میں پہلے دو رکعت سنت پڑھتے، اور پھر لوگوں کے ساتھ ان کی نماز میں شریک ہوجایا کرتے تھے۔

امام طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) نے اس روایت کو دو مختلف سندوں سے روایت کیا ہے، اور ان میں سے ایک سند کے سارے راوی ثقہ اور ''صحیح بخاری'' کے راوی ہیں، سوائے روح بن الفرج القطان کے، اور وہ بھی انتہائی ثقہ اور صدوق ہیں۔[1] نیز دوسری سند کے راوی بھی ثقہ اور حسن الحدیث ہیں۔

﴿ف﴾ مذکورہ بالا حدیث سے واضح ہوگیا کہ حضرت عمر ﷺ جیسے جلیل القدر صحابی اور خلیفہ راشد کی موجودگی میں صحابہ کرام ﷺ اور تابعین عظام فجر کی جماعت کھڑی ہونے کی صورت میں بھی فجر کی سنتیں پڑھ لیتے تھے۔ اور حضرت عمر ﷺ ان پر کوئی نکیر نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح دیگر جلیل القدر صحابہ کرام ﷺ جیسے حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ،[2] حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ، حضرت

۱۔ تہذیب التہذیب (۲/۱۷۵)

۲۔ بعض غیر مقلدین نے ''السنن الکبریٰ'' (۲/۴۸۳) سے حضرت ابن عمرؓ کا ایک اثر نقل کیا ہے جس میں ان سے اقامت کے دوران نوافل پڑھنے کی ممانعت منقول ہے، لیکن اس اثر میں ایک راوی حماد بن سلمہؒ ہے، جو خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی مختلط (ضعیف) ہے۔ (حاشیہ جزء رفع الیدین، ص: ۴۷، القول المتین، ص ۴۵) نیز اس اثر میں فجر کی سنتوں کی تصریح نہیں ہے، بلکہ=

عبداللہ بن عباس ﷺ، حضرت ابوالدرداء ﷺ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ کا بھی معمول تھا کہ جب فجر کی جماعت کھڑی ہوجاتی اور ان حضرات نے اگر فجر کی سنتیں نہیں پڑھی ہوتیں تو یہ مسجد کے کسی گوشے میں یا کسی ستون کے پیچھے پہلے سنتیں پڑھتے پھر جماعت میں شریک ہوتے تھے۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ جس حدیث میں آتا ہے کہ جب جماعت کھڑی ہو جائے تو فرضوں کے علاوہ کوئی نماز نہیں پڑھی جاسکتی، اس سے فجر کی سنتیں مستثنیٰ ہیں کہ ان کو جماعت کی صفوں سے ہٹ کر پڑھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام ﷺ نے ان احادیث اور سنن فجر کی مستقل تاکیدی روایات سے یہی سمجھا ہے۔

غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلویؒ (م ۱۹۰۲ء) ارقام فرماتے ہیں: کوئی شخص مسجد سے علیحدہ کسی مکان میں سنتیں پڑھتا ہے اور مسجد میں (فجر کے) فرض کی جماعت شروع ہوگئی ہے، تو یہ دوسری بات ہے اس پر کچھ گرفت نہیں ہے۔[2]

= عام نوافل کا ذکر ہے۔ اور بالفرض اگر ان نوافل سے فجر کی سنتیں مراد لی جائیں تو پھر ممانعت اس صورت میں ہے کہ جب ان سنتوں کو جماعت کی صفوں میں پڑھا جائے۔ جمعًا بین الآثار.

۱۔ ان آثار کے لئے دیکھئے شرح معانی الآثار (۱/۲۵۷، ۲۵۸)، مصنف ابن ابی شیبة (۲/۱۵۳، ۱۵۴) وغیرہ.

۲۔ فتاویٰ نذیریہ (۱/۴۳۳)

حدیث نمبر ۳۵

اگر فجر کی سنتیں رہ جائیں تو انہیں طلوع آفتاب کے بعد پڑھا جائے

اگر بوجہ مجبوری فجر کے فرضوں سے پہلے کی یہ دو سنتیں نہ پڑھی جاسکیں تو اب فرضوں کے بعد سورج نکلنے تک ان کی قضا نہیں پڑھی جاسکتی بلکہ جب سورج پوری طرح نکل آئے تو پھر آپ ان سنتوں کو پڑھ سکتے ہیں جیسا کہ حدیث ذیل سے ثابت ہو رہا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں:۔

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ.[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے فجر کی دو رکعتیں نہ پڑھی ہوں تو اسے چاہیے کہ وہ ان کو سورج نکلنے کے بعد پڑھے۔

امام حاکمؒ (م۴۰۵ھ) اور حافظ ذہبیؒ (م۷۴۸ھ) نے اس حدیث کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔[2]

۱۔ سنن الترمذی، باب ماجاء فی اعادتهما بعد طلوع الشمس، رقم الحديث (۴۲۳)، المستدرک، کتاب صلوة التطوع، رقم الحديث (۱۱۵۳).

۲۔ (المستدرک: ۱/۴۵۱، مع الحاشية)

نیز اس حدیث کو امام ابن خزیمہؒ (م ۳۱۱ھ) اور امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے بھی اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔[1]

لہٰذا اس حدیث کے راوی قتادہ پر تدلیس کا الزام مردود ہے، کیونکہ حدیث نمبر ۲۱ میں بحوالہ غیر مقلدین گزرا ہے کہ "صحیح ابن حبان" میں مدلس راویوں کی احادیث سماع پر محمول ہیں۔ علاوہ ازیں قتادہؒ کی تدلیس اس لیے بھی مضر نہیں کیونکہ وہ صرف ثقہ راوی سے ہی تدلیس کرتے ہیں، جیسا کہ محدث کبیر امام حاکمؒ (م ۴۰۵ھ) نے تصریح کی ہے۔[2] نیز پیشوائے غیر مقلدین علامہ ابن حزمؒ (م ۴۵۶ھ) نے بھی قتادہؒ کی تدلیس کو غیر مضر قرار دیا ہے۔[3]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر کی سنتیں فجر کی نماز سے پہلے نہ پڑھی جاسکیں تو انہیں فجر کی نماز کے فوراً بعد نہیں پڑھنا چاہیے بلکہ جب سورج نکل کر بلند ہو جائے تو پھر ان کو پڑھا جائے۔

نیز اس حدیث کی تائید ان متعدد احادیث سے بھی ہوتی ہے، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے بعد سورج نکلنے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۹ میں بھی گزرا ہے۔

۱۔ صحیح ابن خزیمۃ (رقم الحدیث: ۱۱۱۷)، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان (رقم الحدیث: ۲۴۶۹)

۲۔ معرفت علوم الحدیث (ص ۱۶۵)

۳۔ احکام الاحکام (۱/۱۳۷)

حدیث نمبر ٣٦

نمازِ مغرب سے پہلے نوافل کا وقت نہیں

مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان نوافل کا وقت نہیں جیسا کہ حدیث ذیل سے ثابت ہورہا ہے۔ حضرت بریدہ ﷺ فرماتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ عِنْدَ کُلِّ اَذَانَیْنِ رَکْعَتَیْنِ اِلَّاالْمَغْرِبَ.[۱]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نماز کی دو اذانوں (اذان اور اقامت) کے درمیان دو رکعت نفل (مستحب) ہیں سوائے مغرب کے۔

اس حدیث کو امام ابن الترکمانیؒ (م۷۴۵ھ) وغیرہ محدثین نے صحیح کہا ہے اور اس حدیث کے راوی حیان بن عبید اللہ پر اعتراض کو کالعدم قرار دیا ہے۔[۲]

﴿ف﴾ امام بزارؒ (م۲۹۲ھ) نے اپنی ''مسند'' میں اور امام ابن شاہینؒ (م۳۸۵ھ) نے اپنی کتاب ''الناسخ والمنسوخ'' میں لکھا ہے کہ جس حدیث میں مغرب سے پہلے دو رکعت نفل کی اجازت منقول ہے، وہ حدیث مذکورہ بالا

۱۔ السنن الکبری، باب من جعل قبل صلوۃ المغرب رکعتین، (۲/ ۴۷۴)، المعجم الاوسط (۶/ ۱۵۱، رقم الحدیث ۸۳۳۸)، مُسند البزار (۱۰/ ۳۰۳، رقم الحدیث: ۴۴۲۲)

۲۔ (الجوہر النقی: ۲/۴۷۵، ۴۷۶)

حدیث سے منسوخ ہے۔[۱]

نیز مذکورہ بالا حدیث کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابن عمر ﷺ سے مغرب سے پہلے کی ان دو رکعتوں کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کسی شخص کو یہ دو رکعت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔[۲]

اسی طرح حضرت ابراہیم نخعیؒ (جن کی مرسل احادیث عند المحدثین صحیح ہیں[۳]) کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ:

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ مغرب سے پہلے یہ دو رکعت نہیں پڑھا کرتے تھے۔[۴]

نیز علامہ شوکانیؒ غیر مقلد (م۱۲۵۵ھ) ارقام فرماتے ہیں:

ولم یستحبھما الاربعۃ الخلفاء رضی اللہ عنھم، و اخرون من الصحابۃ و مالک و اکثر الفقھاء.[۵]

مغرب سے پہلے دو رکعت کو چاروں خلفائے راشدین و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم، امام مالکؒ اور اکثر فقہاء مستحب نہیں سمجھتے۔

۱۔ العرف الشذی (ص۴۷)، معارف السنن (۲/۱۴۳)

۲۔ (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۱۲۸۴)

۳۔ التمہید (۱/۵۵)، الموقظۃ (ص۴۰) للذہبیؒ

۴۔ کتاب الآثار (رقم الحدیث: ۱۳۵)، مصنف عبد الرزاق (۲/۴۳۵)

۵۔ نیل الاوطار (۱/۲۳۹)

حدیث نمبر ۳۷

نماز جمعہ کا وقت زوالِ آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے

نمازظہر کی طرح نماز جمعہ کا وقت بھی زوالِ آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ جمعہ کی نماز زوال آفتاب کے بعد ہی پڑھتے تھے جیسا کہ حدیث ذیل میں ہے۔ حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں:۔

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یُصَلِّی الْجُمُعَۃَ حِیْنَ تَمِیْلُ الشَّمْسُ.[1]

ترجمہ:۔ نبی ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا۔

﴿ف﴾ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہے۔ کسی صحیح صریح حدیث میں زوالِ آفتاب سے پہلے جمعہ پڑھنے کا ذکر نہیں ملتا۔ امام بخاریؒ اور شارح بخاری، حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک بھی زوالِ آفتاب سے قبل جمعہ پڑھنے کی دلیل ضعیف ہے۔[2]

غیر مقلدین کے محقق اعظم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (م ۱۳۵۲ھ) بھی اس حقیقت کا اقرار کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:۔

۱۔ صحیح البخاری، باب وقت الجمعة اذازالت الشمس، رقم الحدیث (۹۰۴). (۱/۱۲۳)

۲۔ فتح الباری (۲/۴۹۱)

والظاھر المعول علیه ھو ماذھب الیه الجمھور من انه لا تجوز الجمعة الا بعد زوال الشمس، واما ماذھب الیه بعضھم من انھا تجوز قبل الزوال فلیس فیه حدیث صحیح صریح.[1]

ظاہر اور قابل اعتماد بات وہی ہے جو جمہور علماء کا مذہب ہے کہ جمعہ کی نماز زوال آفتاب کے بعد ہی جائز ہے۔ اور جو بعض علماء کا مذہب ہے کہ جمعہ کی نماز زوال سے قبل بھی جائز ہے تو اس مذہب کی تائید میں ایک بھی صحیح اور صریح حدیث نہیں۔

مولانا عبدالجبار غزنویؒ (م ۱۳۳۱ھ) لکھتے ہیں: صحیح حدیثیں اور چاروں خلیفوں اور ماسوا ان کے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار اسی پر ہیں کہ جمعہ کی نماز کا وقت سورج ڈھلنے کے بعد ہے، اور جو روایتیں اس مضمون کے برخلاف آئی ہیں وہ سب کی سب ضعیف یا محتمل ہیں جو صحیح روایتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔[2]

واضح رہے کہ نمازِ جمعہ سے قبل خطبہ سننا واجب ہے، اور اس دوران کسی قسم کی بھی نماز پڑھنا منع ہے۔ جس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیؓ کو دورانِ خطبہ نفل پڑھنے کی اجازت دی تھی وہ باقرار غیر مقلدین اس صحابیؓ کی خصوصیت پر محمول ہے۔[3]

۱۔ (تحفة الاحوذی: ۱/۳۶۱)

۲۔ فتاوٰی علمائے حدیث (۲/۱۵۲)

۳۔ ایضاً (۲/۱۵۴)

حدیث نمبر ۳۸

جمعہ اور عید کی نماز صرف شہر میں جائز ہے

جمعہ اور عید کی نماز شہر یا شہر کی طرح بڑے گاؤں میں جائز ہے جس میں شہر جیسی سہولیات میسر ہوں۔ اس لئے کہ ایسا گاؤں بھی شہر کے حکم میں ہے۔ البتہ عام دیہاتوں میں جمعہ اور عید کی نماز جائز نہیں جیسا کہ حدیث ذیل سے ثابت ہو رہا ہے۔ تابعی کبیر حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ حضرت علی المرتضیٰ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ؓ نے فرمایا:۔

لَاتَشْرِیْقَ وَلَاجُمُعَۃَ اِلَّافِیْ مِصْرٍ جَامِعٍ۔[1]

ترجمہ:۔ عید اور جمعہ صرف بڑے شہر میں ہو سکتے ہیں۔

علامہ ابن حزم ظاہریؒ (م ۴۵۶ھ) نے اس حدیث کو صحیح کا درجہ دیا ہے۔[2]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) بھی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔[3]

۱۔ مصنف ابن ابی شیبة، باب من قال لاجمعة ولاتشریق الافی مصر جامع (۱۰/۲)، السنن الکبری، باب العدد الذین اذا کانوا وجبت علیهم الجمة، (۱۷۷/۳)

۲۔ (المحلی: ۳۸/۵)

۳۔ [illegible] (۵۸۱/۲)

اور انہوں نے اس حدیث کی شرح میں یہ بھی لکھا ہے:

و معناه لا صلاة جمعة ولا صلاة عيد.[1]

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ اور عید کی نماز صرف بڑے شہر میں ہی ہو سکتی ہیں۔

﴿ف﴾ مذکورہ حدیث مرفوعاً (کہ حضرت علی ؓ نے اس کو نبی ﷺ سے نقل کیا ہے) اور موقوفاً (کہ یہ حضرت علی ؓ کا اپنا قول ہے) دونوں طرح سے مروی ہے لیکن اکثر محدثین نے اس کو موقوف قرار دیا ہے لیکن اگر یہ حدیث موقوف بھی ہو تو حکماً مرفوع ہے۔ کیونکہ اس میں رائے اور قیاس کو کوئی دخل نہیں اور صحابی ؓ کا ہر ایسا قول جس کا تعلق رائے اور قیاس سے نہ ہو وہ حکماً مرفوع ہوتا ہے کہ صحابی ؓ نے یقیناً یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوگی۔ نیز اگر اس حدیث کو صرف موقوف ہی قرار دیں تو پھر بھی یہ حجت ہے کیونکہ یہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ کا قول ہے جو بالاتفاق خلفائے راشدین میں سے ہیں کہ جن کی سنت کی اتباع کو نبی ﷺ نے اپنی سنت کی طرح ضروری اور لازمی قرار دیا ہے۔[2]

اس لیے یہ حدیث ہر حال میں قابل حجت ہے۔ بالخصوص جب کہ اس کے معارض کوئی ایسی حدیث بھی ثابت نہیں ہے۔ جس میں صراحتاً عام دیہاتوں میں جمعہ پڑھنے کا ثبوت ملتا ہو۔

۱۔ فتح الباری (۵۸۱/۲)

۲۔ دیکھئے جامع الترمذی، رقم الحدیث (۲۶۷۶)

حدیث نمبر ۳۹

نمازعید کی ہر رکعت میں نماز جنازہ کی طرح چار تکبیریں ہیں

جس طرح نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں، اسی طرح عیدین (عیدالفطر وعیدالاضحیٰ) کی نماز کی ہر رکعت میں بھی چار تکبیریں اس طرح ہیں کہ پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے تکبیر تحریمہ سمیت چار تکبیریں اور دوسری رکعت میں تکبیر رکوع سمیت چار تکبیریں کہی جائیں۔ ان کل آٹھ تکبیروں میں سے تکبیر تحریمہ اور رکوع کی تکبیر کو چھوڑ کر باقی چھ تکبیروں کو تکبیرات زوائد کہا جاتا ہے۔ نبی ﷺ عیدین کی نماز میں چھ زائد تکبیریں ہی کہا کرتے تھے جیسا کہ حدیث ذیل میں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہم نشین، حضرت ابو عائشہؒ روایت کرتے ہیں کہ:

اَنَّ سَعِيْدَ بْنَ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ سَأَلَ اَبَا مُوْسَى الْاَشْعَرِیَّ رضی اللہ عنہ وَحُذَيْفَةَ ابْنَ الْيَمَانِ رضی اللہ عنہ: كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُكَبِّرُ فِی الْاَضْحٰی وَالْفِطْرِ؟ فَقَالَ اَبُوْ مُوْسٰی: كَانَ يُكَبِّرُ اَرْبَعًاتَكْبِيْرَةً عَلَی الْجَنَائِزِ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ: صَدَقَ. فَقَالَ اَبُوْ مُوْسٰی: كَذٰلِكَ كُنْتُ اُكَبِّرُ فِی الْبَصْرَةِ حَيْثُ كُنْتُ عَلَيْهِمْ: قَالَ اَبُوْ عَائِشَةَ: وَاَنَا حَاضِرٌ سَعِيْدَ بْنَ الْعَاصِ.[1]

۱۔ سنن ابی دائود، باب التکبیرفی العیدین، رقم الحدیث (۱۱۵۳)، شرح معانی الآثار، باب صلوة العیدین کیف التکبیر فیها، (۲/۴۳۹)

ترجمہ:۔ حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ: رسول اللہ ﷺ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کی نماز میں کتنی تکبیریں کہا کرتے تھے؟ حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا: (ہر رکعت میں) چار تکبیریں کہا کرتے تھے جیسا کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہتے تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ٹھیک کہتے ہیں۔ پھر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں جب بصرہ کا حاکم تھا تو وہاں اسی طرح تکبیریں کہا کرتا تھا۔ حضرت ابو عائشہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے (سوال کرنے کے وقت) میں خود ان کے پاس موجود تھا۔

شیخ البانیؒ نے اس حدیث کے متعلق تصریح کی ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں، سوائے ابو عائشہؒ کے، جب کہ ابو عائشہؒ بتصریح حافظ ابن حجرؒ عندالمتابعت مقبول الحدیث ہے، اور چونکہ اس کی مذکورہ حدیث کی تائید متعدد صحیح احادیث سے ہوتی ہے، لہٰذا اس کی یہ حدیث بھی حسن اور قابل حجت ہے۔[1]

﴿ف نمبر۱﴾ عیدین کی نماز پڑھنے اور ان میں تکبیرات کہنے کا طریقہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں یوں بیان کیا تھا کہ: آدمی سب سے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز

۱۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۲۹۹۷)

شروع کرے، پھر (ثنا کے بعد) تین تکبیریں کہے اور قراءت کرے اور پھر رکوع کو جاتے ہوئے تکبیر کہے، پھر سجدہ کرے، پھر (دونوں سجدوں سے فارغ ہوکر دوسری رکعت کے لیے) کھڑا ہو جائے اور قراءت کرے، پھر تین تکبیریں کہے اور پھر رکوع کو جاتے ہوئے تکبیر کہے (پھر عام معمول کے مطابق نماز مکمل کرلے۔) یہ سن کر حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ اور حضرت حذیفہ ﷺ نے فرمایا: ابو عبدالرحمن (عبداللہ بن مسعود ﷺ) نے درست کہا۔[۱]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور شیخ البانیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔[۲]

﴿ف نمبر۲﴾ آپ حدیث نمبر ۳۲ کے ذیل میں امام طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) کا بیان پڑھ چکے کہ علماء کا اجماع ہے کہ نماز میں تکبیر زائد کہتے ہوئے ہاتھ بھی اٹھائے جائیں۔ لھذا اس قاعدہ کی بنا پر نماز عیدین کی چھ تکبیرات زوائد کو کہتے ہوئے بھی رفع یدین کرنا مستحسن ہے۔ نیز مولانا شرف الدین دہلویؒ غیر مقلد نے تصریح کی ہے کہ تکبیرات عید میں رفع یدین کرنا حضرت ابن عمرؓ سے ثابت ہے، اور صدیوں سے محدثین کا اس پر تعامل ہے، للہذا یہ قابل عمل ہے۔[۳]

۱۔ شرح معانی الآثار للطحاویؒ (۴۳۸/۲)

۲۔ الدرایۃ (۲۲۰/۱)، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۲۹۹۷)

۳۔ فتاویٰ علمائے حدیث (۱۵۶/۳)

حدیث نمبر ۴۰

نماز جنازہ میں قراءت نہیں

نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی جاتی ہیں۔ جیسا کہ ماقبل حدیث میں گزرا ہے۔ پہلی تکبیر کے بعد ثناء پڑھی جاتی ہے، دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھا جاتا ہے، تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے دعا کی جاتی ہے اور چوتھی تکبیر کے بعد دونوں طرف سلام پھیرا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی بھی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ یا کسی دوسری سورت کو بطور قراءت نہیں پڑھنا چاہیے جیسا کہ حدیث ذیل میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ فرماتے ہیں:۔ لَمْ یُوَقِّتْ لَنَافِی الصَّلاۃِ عَلَی الْمَیِّتِ قِرَاءَۃً وَلَاقَوْلَ.[۱]

ترجمہ:۔ ہمارے لئے نماز جنازہ میں (رسول اللہ ﷺ کی طرف سے) نہ کوئی قرأت مقرر کی گئی ہے اور نہ کوئی خاص کلام مقرر کیا گیا ہے۔

حافظ نورالدین ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) فرماتے ہیں:۔ رجالہ رجال الصحیح.[۲]

۱۔ مسند احمد بن حنبل بحوالہ مجمع الزوائد (۳۲/۳)

۲۔ ایضاً

اس حدیث کے سارے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔

نیز امام طبرانیؒ (م ۳۶۰ھ) نے بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث دو سندوں سے روایت کی ہے۔[۱] ان میں سے ایک سند حسن لذاتہ، اور دوسری حسن لغیرہ ہے، جب کہ شریک نخعیؒ کی تدلیس مضر نہیں ہے، جیسا کہ حدیث نمبر ۲۱ میں بحوالہ مولانا مبارکپوریؒ گزرا ہے۔

﴿ف﴾ مذکورہ حدیث سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ نماز جنازہ میں کسی قسم کی قراءت نہ کی جائے، نہ سورۃ فاتحہ کی اور نہ کسی اور سورت کی اور جمہور صحابہ کرام ﷺ جیسے حضرت عمر فاروق ؓ، حضرت علی المرتضیٰ ؓ،[۲] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ،[۳] حضرت فضالہ بن عبید ؓ،[۴] حضرت ابوھریرہ ؓ،[۵] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ حضرت واثلہ بن اسقع ؓ کا یہی مذہب ہے کہ نماز جنازہ میں کسی قسم کی قراءت نہ کی جائے۔ امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں کہ ہمارے شہر (مدینہ منورہ) میں اس (یعنی نماز جنازہ میں قراءت) پر عمل نہیں ہے۔ نماز جنازہ صرف دعاء ہے، میں نے اپنے شہر کے اہل علم کو اسی پر پایا ہے۔[۶]

۱۔ المعجم الکبیر (۷/ ۲۴۲۴، رقم الحدیث ۹۶۰۴، ۹۶۰۶)

۲۔ مصنف ابن ابی شیبۃ (۳/ ۱۷۹)

۳۔ مؤطا امام مالک، رقم الحدیث (۵۳۵)

۴۔ مصنف ابن ابی شیبۃ (۳/ ۱۸۲)

۵۔ مؤطا مالک، رقم الحدیث (۵۳۳)

۶۔ ملخصاً المدونۃ الکبری (۱/ ۱۵۸، ۱۵۹)

البتہ سورۃ فاتحہ میں چونکہ اللہ کی حمد وثناء ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص اس کو بطور حمد وثناء نہ کہ بطور قراءت پڑھے تو اس کے لئے گنجائش ہے۔

ملحوظ رہے کہ نمازِ جنازہ کی چار تکبیروں میں سے صرف پہلی تکبیر کہتے ہوئے ہی رفع یدین کرنا چاہیے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تکبیر اُولیٰ کے علاوہ باقی تین تکبیروں میں رفع یدین کرنا ثابت نہیں ہے، جس کا اقرار علامہ ابن حزمؒ، قاضی شوکانیؒ اور شیخ البانیؒ وغیرہ اکابر غیر مقلدین نے بھی کیا ہے۔[۱]

نیز جنازہ کی چوتھی تکبیر کے بعد عام نمازوں کی طرح دونوں طرف سلام پھیرنا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ثابت ہے۔ ان احادیث کی صحت کو امام نوویؒ وغیرہ محدثین کے علاوہ شیخ البانیؒ نے بھی تسلیم کیا ہے۔[۲]

وَهٰذَا آخِرُ مَا اَرَدْتُ تَحْرِيْرَهٗ. رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَعَلٰى مَنِ اتَّبَعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

مولانا ظہور احمد الحسینی دامت برکاتہم

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ / ۱۰ مئی ۲۰۰۷ء، بروز جمعرات

۱۔ المحلی (۵/ ۱۲۱)، نیل الاوطار (۱/ ۷۵۸)، احکام الجنائز (ص ۱۴۷، ۱۴۸)

۲۔ احکام الجنائز (ص ۱۶۲) للالبانیؒ